

کبیر

# کبیر بانی

(گیت، ترجمہ اور حواشی)

مرتبہ: سردار جعفری



کبیر

# کبیر بانی

(گیت، ترجمہ اور حواشی)

مرتب:

سردار جعفری



آج کی کتابیں

## کیر کیربانی

مترجم: سردار جعفری

پہلا پاکستانی ایڈیشن: ۲۰۰۱ء

دوسرا پاکستانی ایڈیشن: ۲۰۰۵ء

ISBN 969-8379-33-9

طباعت: ذکی سنز پرنٹرز، کراچی

## آج کی کتابیں

316 مدینہ منی مال، محمد اظہار دین روڈ، صدر، کراچی 74400

فون: 5213916، 5650623 (92-21)

ای میل: [ajmalkamal@gmail.com](mailto:ajmalkamal@gmail.com)

ہوتی ہی بڑھ بڑھ جگہ نہوا ہنڈت بھیا نہ کوئے  
ڈھائی اجیہر یویم کے بڑھے سو ہنڈت عوئے

کبیر

پیر آتش

دقات

بنارس، ۱۳۹۸ء تا ۱۳۳۰ء

مکرم، ۱۵۱۸ء



## دیباچہ

بڑی شاعری کی یہ عجیب و غریب خصوصیت ہے کہ وہ اکثر و بیشتر اپنے خالق سے بے نیاز ہو جاتی ہے۔ پھر اس کے وجود سے شاعر کا وجود پہچانا جاتا ہے کیوں کہ اس کی زندگی کے حالات گزرے ہوئے زمانے کے دھندلکے میں کھو جاتے ہیں اور واقعات افسانے کا لباس پہن لیتے ہیں۔

پرائی تاریخ نگاری چوں کہ بادشاہوں، پردہتوں اور سوراؤں کے گرد گھومتی تھی اور انہیں کی داستان کو اپنا سرمایہ سمجھتی تھی اس لیے اس نے ہمیشہ باغیوں، شاعروں اور فن کاروں کو نظر انداز کیا اور صرف سزا و جزا کے افسانے باقی رہ گئے (کسی کا منہ موتیوں سے بھر دیا گیا اور کسی کی گستاخ زبان گڈی سے سمیٹ لی گئی)۔ لیکن وقت کا انتقام بڑا سخت ہے۔ بادشاہوں کے کارنامے تاریخ کی کتابوں میں بند ہیں اور شاعروں کے کارنامے دلوں کے اندر درد اور مسرت کی لہریں بن کر اتر گئے ہیں۔ لکشی اور سرسوتی کی باہمی رقابت میں جیت سرسوتی کی ہوئی اور کن لکشی کے گائے گئے۔

یہ بات شاید پرانے تاریخ نگاروں کو نہیں معلوم تھی کہ تاریخ محض واقعہ نگاری نہیں بلکہ سماجی اور معاشی رشتوں کی تبدیلی کی داستان بھی ہے اور فکر و شعور کا سفر بھی۔ اس فضا میں آتے جاتے کردار پر چھائیوں کی طرح گھومتے رہتے ہیں اور اگر پر چھائیوں کا نام فراموش ہو جائے تو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ فکر و شعور کا سفر جاری رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حالات و واقعات کا کبیر، سن اور تاریخ کا کبیر زندہ نہیں ہے

لیکن فکر اور شعور کا کبیر، جذبے اور احساس کا کبیر، شعر اور نغمے کا کبیر زندہ ہے۔ ہر دو با اس کی ہستی ہے، ہر پہ (نظم) اس کی ذات، ہر خیال اس کی زبان۔ اور جب ہم اس کے بولے ہوئے لفظوں کو دہراتے ہیں تو کبیر کا ساز بجنے لگتا ہے، شاہی فرمان اور ڈکوں کی آوازیں گونگی ہو جاتی ہیں اور کبیر کے دل سے نکلنے والی صوتِ سرمدی سے روح سرشار ہو جاتی ہے۔ چنڈت کا منتر اور منلا کی اذان آسمانوں کے ستارے میں گم ہو جاتی ہے اور کبیر کا حرفِ محبت دھرتی کے سینے میں دھڑکتا رہتا ہے۔

یہ بات اہم نہیں ہے کہ کبیر داس جلا ہے کے بیٹے تھے یا کسی برہمنی کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے اور جلا ہے کے گھر میں پرورش پائی تھی۔ اہم یہ ہے کہ رامانُج (بارھویں صدی) اور اُن کے سلسلہ فکر کی ایک معنوی اولاد رامانند (چودھویں اور پندرھویں صدی) کے خیال سے کبیر کے خیال کا کیا رشتہ ہے، بھگتی کے انتر گیان کا تصوف کے وجدان سے کیا تعلق ہے، ایران کے صوفی شعرا عطار، رومی اور حافظ کی فکر نے ہندوستان کی فکر کو کس حد تک متاثر کیا ہے، اُن کے درمیان کتنی مشترک قدریں ہیں اور اثرات کی یہ بہتی ہوئی گونگا جہنا کبیر کی شاعری میں کتنا حسین سلگم حاصل کرتی ہے۔ صرف اس طرح تفریق اور نفرت کی دو دیواریں گرائی جاسکتی ہیں جنہیں کبیر نے ڈھا دیا تھا لیکن ان کے بعد کی نسلوں نے پھر اونچا اٹھا دیا۔ اس پر لڑنے مرنے والے کہ کبیر لنگی پہنتے تھے یا دھوتی باندھتے تھے، یہ بھول جاتے ہیں کہ اصلیت لباس میں نہیں برہمنی میں ہے۔ جس نے معنی کے جسم سے لفظوں کے پردے اٹھا دیے ہوں اور رام اور رحیم کو ایک کر دکھایا ہو، اس کو سوت اور کپاس کا لباس پہنانے کی کوشش اور اس لباس کی تفریق پر منافقت اور نفرت انگیزی کتنی مستحکم خیز معلوم ہوتی ہے۔

کبیر داس کی پیدائش اور موت کی تاریخوں کے بارے میں کچھ وثوق سے نہیں کہا جاسکتا، بس اتنی بات یقینی ہے کہ پندرھویں صدی کبیر کی صدی ہے۔ ان کی عمر کا اندازہ ایک سو بیس سال کیا جاتا ہے۔ ان کے ایک چیلے دھرم داس سے ایک دو با

منسوب ہے جس کے اعتبار سے برہم دت ۱۳۵۵ء کے اختتام پر کبیر کی پیدائش کی تاریخ جیٹھ کی پورنیا کو سوموار کے دن نکلتی ہے۔ اس بنیاد پر ۱۳۹۸ء سال پیدائش قرار پاتا ہے۔ (بعض لوگوں کے نزدیک سال پیدائش ۱۳۳۰ء ہے۔ دیکھیے ایلون انڈر ہل کا دیباچہ، کبیر کی نظموں کا انگریزی ترجمہ از ٹیگور۔) انتقال کا سال ۱۵۱۸ء بھی کبیر خیموں کے ایک مشہور دوہے کی بنیاد پر تسلیم کیا گیا ہے۔

کبیر داس کا اہتہ بیان ہے کہ وہ بنارس میں پیدا ہوئے اور مکہ (ضلع گورکھپور) میں وفات پائی۔ ”سکل جنم شیو پوری گنویا، مرتی ہر مکہر اٹھ دھایا“، یعنی سارا جنم بنارس میں جیتا اور مرتے وقت مکہ چلا گیا۔ اس میں اہم نکتہ یہ ہے کہ مرتے وقت بھی کبیر نے اپنی انقلابی ادائیں چھوڑی۔ جس طرح وہ انسانوں کی اونچ نیچ کے قائل نہیں تھے، اسی طرح وہ شہروں کی اونچ نیچ کو بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ عام ہندو عقیدہ یہ ہے کہ کاشی (بنارس) میں مرنے والے کی مکتی ہو جاتی ہے اور اس کے برعکس مکہ میں مرنے والا دوبارہ گدھے کا جنم لیتا ہے۔ لیکن کبیر، جن کو اپنی بھگتی پر پورا اعتماد تھا، اس بات کو کب مان سکتے تھے۔ اس لیے جب عمر کی اس منزل میں پہنچے جہاں موت قریب معلوم ہوئی تو وہ بنارس سے ترک وطن کر کے مکہ چلے گئے۔ ملک کے کونے کونے سے لوگ موت کی تلاش میں بنارس آتے ہیں اور کبیر مرنے کے لیے بنارس سے یہ کہتے ہوئے چل دیے:

کیا کاشی، کیا اوسر مکہ، رام ہردے بس مورا

جو کاسی تن تھے کبیرا، راسے کون ہنورا

(ترجمہ: کاشی ہو یا آجاز مکہ، میرے لیے دونوں برابر ہیں کیوں کہ میرے دل میں بھگوان بسا ہوا ہے۔ اگر کبیر کی روح کاشی میں اس تن کو تھ کر نجات حاصل کر لے تو اس میں رام کا کون سا احسان ہے۔) اس لیے کبیر، جو زندگی بھر کاشی کے باشندے تھے اور بادشاہوں کی طاقت اور تنگ نظر لوگوں کی نفرت بھی ان کو دہاں سے باہر نہ نکال



سکی، مرنے کے بعد اپنی مرضی سے مکبر کے پاس ہو گئے۔

ان کی موت کے گرد ان کے چاہنے والوں نے جس افسانے کی تخلیق کی ہے وہ کبیر کے لیے عوام کا سب سے بڑا خراج عقیدت ہے۔ ان کی تعلیم کا نچوڑ وہ خالص انسانی محبت ہے جو مذہب کی تفریق اور ذات پات کے جھگڑوں سے پاک ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی لاش پر ہندوؤں اور مسلمانوں نے تلواریں کھینچ لیں۔ ہندو ان کی لاش کو جلانا چاہتے تھے اور مسلمان دفن کرنا چاہتے تھے۔ لیکن اس جھگڑے کا فیصلہ اس طرح ہوا کہ کبیر کی لاش پھولوں کے ایک ڈھیر میں تبدیل ہو گئی جسے دونوں فریقین نے برابر برابر بانٹ لیا۔ اس طرح ہندو رسم بھی ادا ہو گئی اور مسلمان رسم بھی، اور باہمی اختلاف ختم ہو گیا۔ اب مکبر میں اٹلی کے ایک درخت کے نیچے کبیر کا مزار ہے اور بنارس میں ایک محلہ ہے جو کبیر پورے کے نام سے مشہور ہے۔ اپنی ذات کے لیے کبیر نے زیادہ تر ”بھلا ہے“ کا لفظ استعمال کیا ہے اور کبھی کبھی ”کوری“ اور ”کینہ“ بھی کہا ہے۔ شمالی ہندوستان میں اب بھی ہندو بنگر کوری کہلاتے ہیں اور بچے کبھے جانے کی وجہ سے انھیں کین یا کینہ کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ (مسلم جلاہوں نے اپنے لیے ”مومن“ کے لفظ کا انتخاب کر لیا ہے جس کا کبیر کے عہد میں پتا نہیں چلتا۔) اس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ کبیر کے عہد کے آس پاس ہی کوریوں کی ذات کے ایک بہت بڑے حصے نے اسلام قبول کیا تھا۔

کوریوں اور بھلاہوں کی بستیاں پنجاب سے بنگال تک کے علاقے میں پھیلی ہوئی ہیں۔ پورے پورے قصبے ان سے آباد ہیں۔ شمالی ہندوستان میں بہار اور بنگال تک ترکوں کی حکمرانی بارہویں صدی کے آخر میں پرتھوی راج کی شکست (۱۱۹۲ء) کے ساتھ ختم ہوئی۔ ۱۱۹۹ء میں قطب الدین ایبک نے بنارس فتح کیا اور اس کے فوراً ہی بعد محمد بختیار نے بہار کو تہ تیغ کیا اور نالندہ کی مشہور عالم یونیورسٹی کو خاک میں ملا دیا، بودھ بھکشوؤں کو قتل کر دیا اور کتابوں کو آگ لگا دی۔ اس طرح بودھ دھرم، جس کا زوال

بہت پہلے سے شروع ہو گیا تھا اور آٹھویں صدی تک مکمل ہو چکا تھا، بارہویں صدی کے خاتمے پر تقریباً نیست و نابود ہو گیا۔ اور تالندہ کے بچے کچھ بھکشو نیپال اور تبت کی طرف بھاگ گئے۔ (بودھ مذہب وہاں پہلے پہنچ چکا تھا۔) بودھ دھرم کے افسوسناک زوال کے بعد ہندوستان کے بچ ذات کے اچھوتوں کے لیے اسلام ہی ایک پناہ گاہ رہ گیا تھا (چنانچہ اس عہد میں مشرقی بنگال کے گاؤں کے گاؤں اپنا بودھ دھرم چھوڑ کر مسلمان ہو گئے)۔ ترک حکمرانوں نے، جو مسلمانوں سے بڑھ کر فاتح اور حکمران تھے اور اپنے طبقاتی مفاد کو مذہب پر ترجیح دیتے تھے، اسلام پر ایمان لے آنے والے محکموں کو برابری کا درجہ نہیں دیا۔ وہ اب بھی کوری سے جلا ہے ہو جانے کے بعد کہیں ہی سمجھے جاتے تھے۔ اس لیے ان کی آخری پناہ گاہیں بھگتی اور تصوف کی پریم گھریاں بن گئیں اور ان دونوں خدا پرست اور انسان دوست تحریکوں کا حسین امتزاج کبیر داس اور ان کی شاعری کی شکل میں ظاہر ہوا۔

مطلبی تو ان کا پیدائشی حق اور باپ دادا کی میراث تھی مگر بھگتوں اور صوفیوں نے اسے ترک دنیا کے فلسفے کی شکل دے کر انتہائی بنا دیا۔ ظاہری مذہب حکمرانوں کے ساتھ تھا جو مال و دولت کے مالک تھے (وہ کبھی شمال مشرقی سرحد کے پہاڑوں کو عبور کر کے آتے تھے اور کبھی مقامی قلعوں سے اپنی فوجیں لے کر نکلتے تھے) اور باطنی مذہب یعنی تصوف اور بھگتی نے عوام کا ساتھ دیا جو مطلبس اور محنت کش تھے۔ (یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ زیادہ تر صوفی اور بھگت دستکاروں کے طبقے سے تعلق رکھتے تھے)۔ ظاہری مذہب کے مثلاً، قاضی، مجتسب، پنڈت، پردہت وغیرہ بہت مہنگے تھے جو مذہبی رسوم کے جاننے والے تھے اور حکمرانوں کے اقتدار پر خدا اور بھگوان کی مرضی کی مہر لگاتے رہتے تھے۔ (اونچ نیچ خدا کی دین ہے۔ بادشاہ زمین پر خدا کا سایہ ہے۔) لیکن باطنی مذہب کے رہنما یا گرو فقیر اور بھکشو تھے۔ ان کے جسم پر گیر والباس ہوتا تھا، یا شاید وہ بھی نہیں ہوتا تھا۔ ہاتھ میں بھیک کے پیالے، دل میں غم کی قندیل اور ہونٹوں

پر حرفِ محبت۔ وہ صاحبِ علم نہیں تھے، صاحبِ اسرار تھے۔ عقل والے نہیں تھے، عشق والے تھے۔ ان کے پاس نہ مندر تھے نہ مسجدیں، نہ اوقاف نہ جائیدادیں۔ ان کے پاس کتاب بھی نہیں تھی، صرف دل تھا۔ وہ ہر انسان کو یہی بشارت دیتے تھے کہ خدا محبت ہے در محبت خدا ہے۔ انسان کا عشق خدا کا عشق ہے، اور یہ تبلیغ و تلقین مفت تھی۔ طبقاتی نفرت کے بغیر حکمران حکومت نہیں کر سکتے تھے لیکن مجتہدوں اور صوفیوں نے اس طبقاتی نفرت کے مقابلے پر انسانی برادری اور محبت کا نصب العین رکھا۔ حکمرانوں کے لیے ساتی حیثیت کا معیار دنیاوی دولت تھی۔ مجتہدوں اور صوفیوں کے لیے انسان کے اعلیٰ درجے کا معیار بھکت پریم اور عشقِ حقیقی اور عشقِ مجازی تھا۔ مال اور دولت کی محبت اور جائیدادوں کی بدشعیں اس عشق میں کمی کر سکتی تھیں، اس لیے ان بزرگوں نے ترکِ دنیا کو اپنی تعلیمات کا بنیادی جز بنایا۔ چنانچہ مولانا جلال الدین رومی نے دوست کو اس لحاظ سے تشبیہ دی ہے جو منجھ کے سر کو چھپاتی ہے، خوبصورت زانوں والے ننگے سر ہی اچھے لگتے ہیں۔ بار بار میں کہنے والے غلاموں کے ہمسائی حسن کو ظاہر کرنے کے لیے انھیں نکا کر دیا جاتا ہے۔ ان کی خرید و فروخت کرنے والے امیر اپنے چہرہ مسوں کو اطلس اور ریشم کی قبوں میں چھپائے رکھتے ہیں۔

کبیر نے اپنی اس طبقاتی حیثیت کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ چنانچہ ایک نظم (۱۰۹) میں جب دیا سالا سنگار کر کے اور اپنی مست آنکھوں کی لال تلور لے کر شاعر کے سامنے آتی ہے وہ اسے اپنا بہتر (دوہایا شوہر) کہہ کر مخاطب کرتی ہے تو شاعر بڑے طنز سے کہتا ہے کہ ”ہماری ذات جانتی ہے اور نام کبیر ہے۔ ہمیں تو کبھی کسی نے چھپا نہیں۔ تم وہاں جاؤ جہاں تخت نیچے ہوئے میں، باغ آراستہ میں، اتانج کے پورے پھرے ہوئے ہیں، ریشم کی بھرمار ہے، انگر اور مندر لکھا جا رہا ہے۔ ہمارے پاس آنر کیا کروٹی۔ سم تو کیمینوں کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔“ ایک اور نظم (۱۱۰) میں انھوں نے مایا کو، جو صاحبِ اقتدار طبقوں کے رنج کی مدست ہے، مہا مٹھنی

کہا ہے، جس کے ہونٹوں پر جیسے بول ہیں اور ہاتھ میں پھنسی کا پھندا ہے۔ ایک اور نظم میں مایا شکاری کے روپ میں ظاہر ہوتی ہے جو نہایت بے دردی کے ساتھ انسانوں کا شکار کھیل رہی ہے۔ اس کے وار سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ ”اودھو مایا تھی نہ جائے“ کے ساتھ مد کر اس نظم کو پڑھنے سے کبیر کا اصل مفہوم واضح ہوتا ہے۔

کبیر کے یہاں مایا کے تصور کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ شکر اچار یہ (آٹھویں صدی) کے اودیت واد اور ان کے تدرامانج (۱۱۷۵ء، نہایت ۱۲۵۰ء) کے وششت اودیت واد کے ایک نکتے کے بار یک فرق کو دہن نشین کر لیا جائے۔

دونوں آپنشد کی اس تعلیم کو مانتے ہیں کہ سب پنہ برہمن ہے، (سر دم کل دم برہمن) اور وہی سب سے بڑی سیائی ہے۔ اور آتمن (روح = خودی) اور برہمن (ذات مطلق) ایک ہیں (آیم آتما برہمن)۔ لیکن اس تعلیم کی تفسیر کے وقت دونوں الگ الگ راہیں اختیار کرتے ہیں، ایک کے یہاں شکت فلسفے کی چمک دار تلوار ایک عظیم عالمگیر ذہن کی تیزی کا پتا دیتی ہے اور دوسرے کے یہاں دل کی دھڑکن اڑی اور ابدی حقیقت میں انسانی روح کی حرارت پیدا کر دیتی ہے۔

شکر اچار یہ کا کہنا یہ ہے کہ پنہ کہ برہمن (ذات مطلق) ہی حقیقت ہے اس لیے مادی دنیا (مایا = سنسار) کی اپنی کوئی حقیقت نہیں، وہ صرف وہم و خیال (سمہیا) ہے۔ اس کو انھوں نے اودیت کہا ہے (یعنی وہ وحدت جس میں دوئی کی سالی نہیں ہے)۔ لیکن رامانج کا کہنا یہ ہے کہ برہمن (ذات مطلق) آتمن (روح = خودی) اور مایا (سنسار) الگ الگ پیچے جاتے ہیں لیکن حقیقت میں الگ الگ نہیں ہیں، کیوں کہ آتمن اور مایا دونوں برہمن کے دشین (صفات) ہیں۔ گویا شکر اچار یہ صفات سے انکار کرتے ہیں اور رامانج صفات کو مین ذات مانتے ہیں۔ اس صورت میں برہمن (ذات مطلق) کی وحدت باقی رہتی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ آتمن (روح = خودی - فرد = جیو) کی حقیقت اور اصیت بھی باقی رہتی ہے۔ اس کو وششت

آدیت کہا گیا ہے۔

شکر اچار یہ کے یہاں وحدت میں کثرت کا سوال فلسفیانہ تاویلوں کا محتاج رہتا ہے اور رامانج کے یہاں شاعری اور نغمے کے دروازے کھول دیتا ہے اور نرگن کے آگے سرگن ناچنے لگتا ہے، مصوات ذات کا اشارہ بن جاتی ہیں اور انا الحق کا ساز بجنے لگتا ہے۔ شکر اچار یہ کے یہاں خدا غیر ذاتی ہے اور رامانج کے یہاں ذاتی۔ اس لیے ایک کی ٹھنکی سرد اور خشک ہے اور دوسرے کی بھشتی گرم اور رقیں۔ وہاں ٹونیہ کا سکون ہے اور یہاں مایا کا ہنگامہ، جو سخت اور بھگت شاعروں کے یہاں بے تابی، بے قراری اور سرشاری کا شکیت بن جاتا ہے اور انھیں جلال اللہ بن رہی اور حافظ شیرازی کے قریب سے آتا ہے۔ شکر اچار یہ کے یہاں غیر بند افکار کی آمیزش ذرا مشکل ہے، اور رامانج کی دھارا میں بہت سے نقشے مل سکتے ہیں۔ چنانچہ کبیر کے یہاں یہ آمیزش صاف نظر آتی ہے۔ (لیکن کبیر کو سو صدی رامانج کا پیلا سمجھنا صحیح نہیں ہے۔)

ہیو اور مایا کو برہمن سے الگ پہچانے کے بعد ہیو کو حقیر اور مایا کو بے کار اور بے کار نہیں سمجھا جاسکتا۔ اس طرح ہیو کی اہمیت کا اعتراف فرد کی عظمت کا اعتراف ہے اور وہ فراخ دہ بھی ہو سکتا ہے اور براہمن بھی اور مسکھن بھی۔ فرد کی یہ اہمیت جاگیر دار۔ سماجی رشتوں پر اثر انداز ہوتی ہے (جس میں عظمت کی بنیاد دولت اور طاقت تھی) اور ایک نئی انسان دوستی کے رشتے قائم کرتی ہے۔ اب مایا کو توجہ دینے کا سوال پیدا نہیں ہوتا بلکہ اسے فتح کیا جاتا ہے، برتا جاتا ہے اور کبیر کے الفاظ میں وہ "ہری بھکتوں کی چیری" (کیر) بن جاتا ہے۔ (علم نمبر ۱۰۵)

کبیر کے یہاں ترک دنیا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ آدمی صرف اپنی ذات میں گم ہو جائے اور اپنی نجات کے لیے مراقبے میں کھو جائے۔ وہ خود شادی شدہ آدمی تھے اور صاحبِ اولاد تھے، گھر گئے پر خود کپڑا بچتے تھے اور پھیری لگا کر اسے پیچتے تھے اور اس کی آمدنی سے ان کے اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتے تھے۔ ان کی مادی اور



جسمانی محنت ان کے روحانی نعموں کی تخلیق میں حائل نہیں ہوتی تھی بلکہ شاید اس میں مدد دیتی تھی۔ ان کو اس پر اصرار تھا کہ بھگوان اس دنیا میں ملتا ہے۔ نجات کا راستہ یہیں سے ہو کر گزرتا ہے (نظم نمبر ۴۰) اور مایا، جو مہاشکتی ہے اور بے درد شکاری ہے، بھگتوں کی کنیز بن سکتی ہے (نظم نمبر ۱۰۵)۔ مایا تچی نہیں جاتی، تچی جا نہیں سکتی (نظم نمبر ۵) کیوں کہ وہ کسی نہ کسی شکل میں باقی رہتی ہے۔ دراصل مایا پر فتح حاصل کی جاتی ہے۔ جس طرح پوجا پاٹ، نماز روزہ، ظاہری عبادت سے صرف غرور (اینکار) بڑھتا ہے لیکن بھگوان نہیں ملتا، ویسے ہی کپڑے اتار دینے سے یا اپنے پانچوں حواس کو قتل کر دینے سے بھگوان نہیں ملتا اور نہ وہ پہاڑوں پر جا بیٹھنے اور جنگلوں میں کھو جانے سے ملتا ہے (مایا وہاں بھی پیچھا نہیں چھوڑتی)۔ ہری (بھگوان) اس پر رنجیتے ہیں جس کے دل میں رحم ہے، جو تھی اور پرہیزگار ہے، جو دنیا میں رہ کر دنیا سے اداس (بے نیاز) رہتا ہے اور ہر دی حیات کو اپنی طرح جانتا ہے اسی کو دوئی واقعہ ملتا ہے (نظم نمبر ۶۵)۔ سائیں سے اس قسم کی تلک لگانا بہت مشکل ہے، اس کے لیے طبیعت کا انکسار اور مہر و قناعت ضروری ہے اور رہن بہن میں پورا اترنا چاہیے (نظم نمبر ۷)۔ اور ساری بات کو کبیر نے آخر میں یہ کہہ کر ختم کر دیا ہے کہ دیکھو پانڈے جی، فضول بحث مباحثے سے کوئی فائدہ نہیں ہے، سو باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ اس جسم کے بغیر شبد، کلہ، نام، انا بہت تار، کچھ ممکن نہیں ہے، انسان اور کائنات سب مٹی ہے اور گوند کی شکتی (مایا) اس کو بناتی بگاڑتی رہتی ہے۔ ہمارا جسم ایک مٹی کا مندر ہے جس میں ہم نے گیان و حیاں کا دھپک جلا رکھا ہے اور سانس کا اجالا ہے جس سے سارا جگ دکھائی دیتا ہے (نظم نمبر ۱۳)۔

اس مٹی کی دنیا کا، جس کی ذمے داریوں اور فرائض سے سبک دوش ہونا نجات کے لیے ضروری ہے، کبیر کے یہاں پورا احساس ہے اور غائب بھگتی کا کوئی دوسرا شاعر اس شعور اور احساس میں کبیر کے قریب نہیں پہنچتا۔ اسلام میں انسان کی ذمے داریاں دو حصوں میں تقسیم کی گئی ہیں، ایک حق اللہ ہے اور دوسرا حق العباد، یعنی ایک خدا کا حق

اور دوسرا ہندوؤں کا حق۔ عبادت خدا کا حق ہے اور ساجی ذمے داریاں ہندوؤں کا حق۔  
 خدا کے گہکار کو، جس نے حق عبادت ادا نہیں کیا، خدا معاف کر سکتا ہے، لیکن ہندوؤں  
 کے گہکار کو، جس نے اپنے عزیز واقارب، پڑوسی، ہم وطن اور اہل دنیا کا حق ادا نہیں  
 کیا، اس کو خدا معاف نہیں کرتا، صرف بد سے ہی معاف کر سکتے ہیں، اس کے بعد ہی  
 رحمت کے دروازے کھلیں گے۔ اس لیے کیر نے دونوں حقوق کا ذکر کیا ہے

مرگن کی سیوا کرو، مرگن کا کرو میاں

مرگن مرگن کے پرے، تمہیں ہمارا دھیان

کبیر چھبوں نے کیر کی پیدائش کو ان حسین و جمیل لفظوں میں بیان کیا ہے  
 تمہن کر ہے، دامن دیکے، بوندیں برسیں، جھراگ کے  
 ہر تلاب میں کھل کھلے، تہاں بھانو پرست ہینے

(ترجمہ: مادل کرت رہے تھے، بجلی پنک۔ ری تھی، بوندیں پڑ رہی تھیں اور مینہ کی جھری  
 گئی مونی تھی، اس طوفان میں جب کبیر سورج کی طرت ظاہر ہوئے تو ہر تلاب میں  
 کنول نے پھول کھلے ہوئے تھے۔) اس دوہے کے الفاظ ممکن ہے کہ حقیقت ہی کی  
 ترجمانی کرتے ہوں، یس آرائیں استعارے کی زبان سمجھا جائے تو ایسا معلوم ہوتا  
 ہے جیسے جنگوں کی تلخ کرت میں قتل و غارت کی بھیبوں میں، جہاں خون کی بارش ہو  
 رہی تھی، کبیر کی پیدائش (ظہور) سے یکایک منظر پر سکون ہو گیا اور آسمان پر سورج  
 نکل آیا اور تالابوں میں کنول کے پھول کھل گئے۔ قرآن و سنی کے جنگ آ و د  
 ہندوستان کے پس منظر میں کبیر کی یہ شخصیت مبالغہ آمیز نہیں معلوم ہوتی۔

کبیر اس ایک مسلمان صوفی تھے جو ہندو پن্থی کی زبان میں بات کر رہے  
 تھے۔ چوں کہ انہوں نے اپنے آپ کو بار بار ”جلاپا“ کہا ہے اس لیے یہ یقین کے  
 ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اسلام کو ترک نہیں کیا تھا لیکن ان کی وجہ ہندوؤں کی  
 سی تھی۔ ماتھے پر تک لگاتے تھے اور جسم پر جینو پہنتے تھے۔ اور پھر جرات اتنی تھی کہ

برہمنوں پر طنز کرتے تھے ”تو بھامن میں کاسی کا جولوہا، بوجھو مور گیا تاتلہ۔ ہندوستان کی پوری تاریخ میں اتحاد کے اتنے خوبصورت اور جذباتی مظہر کی مثال نہیں ہے۔ اس عہد میں جب ترک حکمرانوں کی تلوار ہندوستان کے سر پر چمک رہی تھی، اس مسلمان جہا ہے کے حرفِ محبت میں کتنی کشش ہوگی جس نے آپ کو سر سے پاؤں تک ہندوؤں کے رنگ میں رنگ لیا تھا، اور یہ بھی یقین کیا جاسکتا ہے کہ سیر سے آشنا ہونے کے بعد عام ہندو عام مسلمان سے نفرت نہیں کر سکتا تھا۔

کبیر نے منصور کی طرح اتالیق نہیں کہا لیکن اتالیق کا سارا جذبہ ان مصرعوں میں موجود ہے ”رنگن آگے سرگن تاپے باپے سوہنگ تو را“ (علم نمبر ۲۸)۔ ذات کے سامنے صفات تاج رہی ہیں اور اتالیق کا سارا رخ رہا ہے۔ جب وہ یہ کہتے ہیں کہ ”اس کے وجود میں ایک دنیا کے بعد دوسری دنیا بھیج کے“ انوں کی طرح چل رہی ہے“ (علم نمبر ۱۳) تو پھر یہ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی کہ ساری کائنات اس کی تسبیح میں مشغول ہے۔ اس طرح جب وہ عوام کی رہبان میں یہ کہتے ہیں کہ ”نر کار، ترگن، ابنا سی، کردای کو سنگ“ (علم نمبر ۲۹) تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہند، پری بھاشا میں قفل ہو اللہ احد کی تفسیر اسی طرح بیان کی جاسکتی ہے۔ کبھی کبھی اس ارشاد کے دہانے ”المست فقیر“ کا لفظ اسلامی فکر کی موجوں میں تبدیل ہو جاتا ہے ”یا کریم، ملِ حُسنِ تیری، کھاک ایک صورتِ بہتری“ یعنی ”اے کریم، میں تیری حُسن پر قہاں جاؤں، ایک خاک سے اتنی ساری صورتیں بناؤں۔“ اور کبھی وہ اسلامی عقائد کی زمین سے اٹھ کر ویدانت کے شوبہ آکاش میں چلے جاتے ہیں جہاں ذات و صفات سے بھی شعور بلند ہو جاتا ہے۔ پھر وہ کبھی کبھی اسدی المناظرا استعمال کرتے ہیں اور ہندو انداز فکر اختیار کر لیتے ہیں مثلاً ”نبی آنکھوں میں موجود ہے، سیاہ اور سفید تلوں کے بیچ میں ایک تار ہے جس میں لاکھوں سورج طلوع ہوتے ہیں۔“ مگر اس ہزار رنگ انداز کے اندر شیوہ ایک ہی ہے جو، یک نغمہ عشق میں سما جاتا ہے۔ باقی باتیں اس کی تفصیل اور تفسیر ہیں۔

یہ بات متفقہ طور سے مانی جاتی ہے، اور خود کبیر نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ وہ ان پڑھ تھے۔ لیکن ان کی پیدائش اور موت کی طرح ان کی شاگردی کے متعلق بھی اختلاف رائے ہے۔ مسلم روایت انھیں ایک صوفی پیر قتی کا شاگرد قرار دیتی ہے لیکن اپنی نظموں میں کبیر نے رامانند کو گرو ماں کر خرنج عقیدت پیش کیا ہے۔

پندرہویں صدی کے بتارس میں رامانند کی بڑی شہرت تھی۔ ویسے تو وہ ہندو سنت تھے لیکن ان کی مجلس (گوشی) میں ہندو اور مسلمان دونوں شریک ہوتے تھے۔ کبیر کا لڑکپن تھا لیکن ان کی نگاہ انتخاب بھی رامانندی پر پڑی۔ اب مشکل یہ تھی کہ ایک مسلمان جدا ہے کو وہ اپنی شاگردی میں قبول کریں گے یا نہیں، کبیر نے اس کا حل جس طرح تلاش کیا وہ بہت دلچسپ ہے۔ رامانند روز صبح سویرے گنگا میں اٹھنا کرتے جاتے تھے۔ ایک روز صبح کے وقت، جب ابھی اندھیرا تھا، کبیر گنگا کے کنارے یزیمبوں پر لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر میں جب سامانی رامانند آئے تو ان کا چہرہ کبیر کے سر پر پڑ گیا اور اب سناٹا ان کے منہ سے رام رام نکل گیا۔ کبیر خوش ہو گئے کہ منزل مل گیا اور اس دن سے اپنے آپ کو رامانند کا پیلا کہنے لگے۔ ہندو اور مسلمان دونوں نے شور مچا لیکن کبیر کے ماتھے پر تل نہیں پڑا کیوں کہ وہ بچپن سے اس کے عادی تھے۔ ان کے غیر متصحب روپ کی وجہ سے ہندو لڑکے انھیں مسلمان اور مسلمان لڑکے ہندو سمجھ کر پیہڑتے اور ستاتے تھے

راپہ تک نظر نے مجھے کافر جانا  
اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلمان ہوں میں  
دیکھ اسے چشمِ بدو مجھ کو حقارت سے نہ دیکھ  
خس پہ فطرت کو بھی ہے نار وہ انسان ہوں میں

(اقبال)

بحر حال رامانند نے کبیر کو اپنے حلقے میں لے لیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ کبیر ان

کی صحبت میں ایک عرصے تک رہے لیکن بغض لوگ یہ رائے رکھتے ہیں کہ یہ صحبت بہت مختصر تھی، اور اس کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ کبیر کے تصورات پر راماوند کے اثرات آہستہ آہستہ دھندلے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح راماوند سے ملنے سے پہلے کبیر ادھر ادھر گھومتے رہے اسی طرح ان کی شاگردی اختیار کر لینے کے بعد بھی دوسرے متیاسیوں اور بھکتوں سے علاوہ مسلم صوفیاء کی صحبت میں وقت گزارتے رہے۔ لیکن یہ یقینی بات ہے کہ کبیر کی مذہبی معلومات، جو حیرت انگیز حد تک وافر ہیں، سوای راماوند کی گوشعلوں (مجلسوں) کی بھی دین ہیں اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ ان گوشعلوں میں بھی شریک ہوئے جو مسلم صوفیوں اور ہندو ستوں کے درمیان ہوتی تھیں اور جہاں اسرار و رموز بیان کیے جاتے تھے۔ ہندو دھرم کے علاوہ تصوف اور اسلام سے ان کی گہری واقفیت اور رغبت یہ قیاس آرائی کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ ان پڑھ ہونے کے باوجود، جس کا انھوں نے خود اعتراف کیا ہے، انھیں اچھی علمی صحبت ملی تھی۔ جمہوری کے شعل تقی کی صحبت کا ذکر کبیر نے خوا کیا ہے، چاہے وہ ان کے شاگرد بنے ہوں یا صرف ہم مجلس رہے ہوں۔

ڈاکٹر تارا چند اپنی انگریزی کتاب "تھن ہند پر اسلامی اثرات" میں لکھتے ہیں

کبیر کی تعلیمات کے انداز بیان کی صورت گری صوفی اولیا اور شعرا نے کی۔ ہندی زبان میں تو انھیں کوئی پیش رو نہ ملا اس لیے وہ جن نمودنوں کی پیروی کر سکتے تھے وہ مسلم نون ہی سے مل سکتے تھے مثلاً فرید الدین عطار کا "پند نامہ"۔ بابا فرید اور کبیر کی نظموں کے عنوانوں کے تقابلی سے یہ امر باوضاحت معلوم ہوتا ہے۔ کبیر نے دوسرے صوفیاء کے علاوہ جلال الدین رومی اور شیخ سعدی کا کلام بھی یقیناً سنا ہوگا کیوں کہ ان کے کلام میں اس صوفی شعرا کی صداے بازگشت سنائی دیتی ہے۔



(صفحہ ۲۳۔ اردو ترجمہ محمد مسعود احمد۔ مطبوعہ مجلس ترقی ادب، لاہور)

کیہ کی شاعری میں عربی اور فارسی کے سینوں الفاظ ہیں جن میں سے کچھ تو اس وقت کی ہندی میں رائج ہو چکے تھے اور کچھ پروردگارِ راست صوفیانہ شاعری سے آئے ہیں۔ ترکہ دنیا سے انکار اور یوں بھوکہ دونوں کو کچھ یوں زندگی کا حصہ قرار دینا (کلمہ ۳۰) اسلامی تصورات سے واقفیت کا ثبوت ہے۔ "فنا کا تہی سے کیر کا مقصد یہ تھا کہ انسان اپنے حواس اور قوی سے مسلسل آگاہ رہے۔" (۳۱، اردو ترجمہ، صفحہ ۲۶۱) کیہ نے اس پیکار کو اس شاندار انداز میں بیان کیا ہے

شمشیر ہاتھ میں لے کر میدان جنگ میں اترو اور اس وقت تک نرو  
 جب تک جان میں جان سے۔ شمشیر کاٹ کر اس کا کام تمام  
 کرو۔ چمکا تک کے دربار میں آ کر اپنا سر بٹا دو۔ بہادر جنگ کے  
 میدان وادیکو نہ بھاگتے نہیں اور بھگتے نہ بھاگتے نہیں ہوتے۔  
 جسم و جان کے رن میں کھمکان کی لڑائی ہوتی رہی ہے۔ ہوس، فساد،  
 غرور اور لالچ مقابلے پر کھڑے ہوئے ہیں۔ مہر، قہمت اور  
 صداقت کی با مشابہت میں شمشیر و تیر بند ہو رہا ہے۔ کیہ کہتے ہیں  
 کہ مہر و تیر سوراٹتی ہے یہ تھن ہے تیر بڑوں کی فوق چینی کھا  
 کر بھاگ جاتی ہے۔

صداقت کے متلاشی کی جدوجہد موت نکلنے ہے۔ تیری اور سورما  
 کے مقابلے میں اس کا عہدہ اور یاد و دل رہا ہے۔ سورما کی لڑائی وہ  
 چار گھنٹے چلتی ہے مہر کی جدوجہد ایک ہفتے میں ختم ہو جاتی ہے، لیکن  
 صداقت کا متلاشی ان رات تک لڑتا ہے، اس کی لڑائی زندگی کے  
 آخری لمحے تک جاری رہتی ہے۔

(کلمہ ۳۰، بند ۲، ۳، ۴)

انسان کی اس باطنی جدوجہد کا انجام ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ ”جس کے دل میں رحم ہے، جو متقی اور پرہیزگار ہے، جو دنیا میں رو کر دنیا سے ادا رہتا ہے اور دنیا کے ہر ذی حیات کو اپنی طرح جانتا ہے، اس کو وہ لافانی (جنگون) مل جاتا ہے۔“ (تارا چند، صفحہ ۲-۳۶۱، کبیر، نظم ۶۵)

ڈاکٹر تارا چند نے بہت سی مثالوں سے کبیر اور مسلم شفیقوں، مفکروں اور صوفی شاعروں کے خیالات کی مماثلت ثابت کی ہے اور آخر میں یہ نتیجہ نکالا ہے

اس طرح کبیر نے ایک ذاتی راہ والے مذہب کی طرف انسان کی توجہ پھیر دی کوئی ہندو یا مسلمان اس مذہب سے پہنچ سکتا تھا۔ یہ کبیر کے مشن کا تعمیری پہلو تھا۔ لیکن اس کے مشن کا تخریبی پہلو بھی ہے۔ نئے راستے کی تکمیل اس جہز بھکاڑ کو دور کیے بغیر جس نے قدیم یگندہ یوں کو مسدود کر دیا تھا، ناممکن تھی۔ یہی وجہ ہے کہ کبیر نے بے باکانہ فیضانِ غضب اور بے زور زبان میں ظواہر مذہب کے تمام ساز و سامان پر، جس نے صداقت کو چھپا دیا تھا یا ہندوستان کی جماعتوں کو ایک دوسرے جدا کر دیا تھا، ممد کیا۔ ان کے لئے

ہے نہ مسلمان بچے نہ ہندو۔

(تارا چند، صفحہ ۲۶۷)

ظاہر ہے کہ اس مقام پر ہندو، بھگتی اور مسلم تصوف کا حکم ناگزیر تھا، اسی لیے بعض مقامات پر منصور کی انا الحق کی گونج کے علاوہ، جس کا ذکر پہلے آچکا ہے، کبیر کی تعبیرات پر رومی کے تصورات کا عکس بھی دکھائی دیتا ہے جسے انھوں نے ہندو بھگتی کے انداز سے پیش کیا ہے۔ وہی جاہ و جلال، وہی بے تابی اور بے قراری جو رومی کی غزلوں کی خصوصیت ہے، کبیر کی شاعری کا جزوِ اعظم ہے۔ ہندو بھگتی کبیر کو مقامِ فنا کی سیر کراتی ہے جہاں غمزدگی، رخصوع اور خشوع ہے، اور مسلم تصوف مقامِ بقا پر پہنچاتا

ہے جہاں قوت، عظمت، جلال اور جمال، بے باکی اور بلند آہنگی کے ذائقے بچ رہے ہیں، کبیر کے غلط میں آسمان گرج رہا ہے۔ اگر کبیر کے یہاں یہ تصور موجود ہے جو بھگتی اور تصوف دونوں جگہ مشترک ہے کہ قطرہ یا حباب دریا میں محو ہو جاتا ہے، حیو، فرد، آتما جا کر وجود مطلق (برہمن) میں مل جاتی ہے، تو دوسری طرف یہ تصور بھی موجود ہے، جو رومی کی دین ہے، کہ قطرہ دریا کو کولی لیتا ہے، آتمن برہمن کو جذب کر لیتی ہے۔ لیکن یہ دوسری بات اتنے صاف اغاظ میں نہیں کہی گئی ہے جس کی مثال رومی کا یہ شعر ہے

بہ درم کنگرہ کبریاش مردانہ

فرشتہ صید و پیر شکار و یزداں گیر

(ترجمہ بام کبریائی کے سائے میں ایسے بہت والے لوگ کھڑے ہیں جو فرشتے اور پیر اور خدا کو بھی شکار کر لیتے ہیں۔) یا اقبال کا یہ شعر جو رومی کی صداے بارگشت ہے

دو دشت جنوں من، جبریل زبوں صیدے

یزداں بکند آدوں اے بہت مردانہ

(ترجمہ میرے دشت جنوں میں جبریل ایک حقیر شکار ہے۔ اے بہت مردانہ، بڑھ کر خود یزداں پر کمند ڈال دے۔)

لیکن کبیر کا عام انداز یہ ہے

نہ شمع نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

چو غلام آقاہم ہمہ آفتاب گویم

(ترجمہ میں نہ تو رات ہوں نہ رات کا پجاری کہ خواب اور کہانیاں سناؤں۔ میں تو سورج کا غلام ہوں اور میرا ہر حرف سورج کی طرت روشن ہے۔)

یہ بھی مقام ہوتا ہے اور اس کی سب سے اچھی مثال کبیر کی اس نظم میں ملتی ہے

جس کی ساری امیجری نور اور نغمے سے بنی ہے

سورج، چاند اور تاروں کے چراغ جل رہے ہیں۔ پریم راگ  
بیراگ (بے نیازی) کے تال اور سر پر بلند ہو رہا ہے۔ فضاؤں میں  
رات دن ثبوت بچ رہی ہے اور کبیر کہتے ہیں کہ میرا پرتم (محبوب)  
آسمانوں میں بجلی کی طرح چمک رہا ہے۔ وہاں لمبے بھری اور پل بھر  
کی آرتی کہاں، سارا سنسار رات دن آرتی اُتارتا ہے اور گیت گاتا  
ہے۔ طبل اور نشان بچ رہے ہیں، جھلسل دیوتی کی نہیں بھارتیہ کا رہی  
ہے۔ غیب کے گھنٹوں کی آواز آ رہی ہے۔

کبیر کہتے ہیں کہ وہاں رات اور دن اپنے چراغوں کو گردش  
دے رہے ہیں۔ جگت کے تحت پر جگت کا مالک بیٹھا ہوا ہے۔ سارا  
سنسار کرم اور بھرم (کام اور مغالطے) میں جکڑا ہے۔ ایسے پریمی جو  
پرتم کو پہچانتے ہوں کم ہیں۔ اصلی عاشق وہ ہے جو اپنے دل میں  
پریم (نیاز) اور بیراگ (بے نیازی) کی لہروں کو اس طرح ملا لیتا  
ہے جیسے گنا اور جنم کے دھارے مل جاتے ہیں۔ اس کے دس میں  
یہ مقدس پانی ہمیشہ بہتا رہتا ہے تب کہیں جا کر ختم اور مرن، موت  
اور زندگی، کانت ہوتا ہے۔

دیکھو وجود میں کیسا آرام ہے۔ اس کا لطف وہی اٹھا سکتا ہے  
جو وجود کو محسوس کر سکے۔ پریم کی ڈوریاں ہیں اور سکھ کے ساگر کا  
جھولا ہے جو چٹنگی لے رہا ہے۔ لفظ وہاں بادلوں کی طرح گرج  
رہے ہیں۔ ایک عظیم الشان نغمہ بلند ہو رہا ہے۔ وہاں بغیر پانی کے  
کنول کھلا ہوا دکھائی دیتا ہے اور کبیر کہتے ہیں کہ من کا بھونرا اس کا  
رہی پی رہا ہے۔

کائنات کے پھر کے دل میں کیسا حسین کنول کھلا ہوا ہے۔  
 اس کا اہلب کچھ سنت ہی اٹھ سکتے ہیں۔ نفی (شہد) کی گھٹائیں  
 چاروں طرف چھائی ہوئی ہیں اور دل ایک بے کراں سمندر کی مسرت  
 میں ڈوبا ہوا ہے۔ کبیر کہتے ہیں کہ اس سکھ ساگر میں اس طرح ڈوب  
 جاؤ کہ زندگی اور موت کا بھرم (مغالطہ) باقی نہ رہ جائے۔

دیکھو وہاں پانچوں لذتوں (شہد، پرش، روپ، رس، گندھ)  
 کی پیاس بجھ گئی ہے اور تینوں اکھوں (مادی، روحانی، ذہنی) کا بخار  
 اتر گیا ہے۔ یہ عقل و فہم سے بالاتر (اگم) کا کھیل ہے۔ دیکھو  
 تمہارے وجود میں فیب کی چاندنی ہے۔ وہاں زندگی اور موت کی  
 تائیں مسلسل ٹر رہی ہیں۔ مسرت کی روشنی آسمانوں میں پھیلی ہوئی  
 ہے۔ ایک عیدی نفی کی ہونکاار مائی دے رہی ہے اور ترلوک محل  
 (تینوں دنیاؤں کے ایوان) کے پریم باجے بج رہے ہیں۔

زندگی اور موت کے درمیاں کوئی فرق نہیں ہے۔ داہتا اور  
 باپاں ہاتھ ایک ہی ہے۔ کبیر کہتے ہیں کہ یہاں محرم راد گونگا ہو جاتا  
 ہے۔ یہ دو صداقت ہے جو دیدوں اور کتابوں میں نہیں ملتی (صرف  
 محسوس کی جاسکتی ہے)۔

میں نے شونہ کے (خداؤں میں معقل) آسن پر بیٹھ کر  
 سادھنا کے ناقابل بیوں رس کا پیالہ پیا۔ اب میں اسرار کا محرم ہوں  
 اور وحدت کے راد کا نگینے والا۔ راد کے بغیر چل کر میں اس شہر میں  
 پہنچ گیا ہوں جہاں کوئی غم نہیں ہے۔ جگد یو کا رحم اور کرم آسانی سے  
 نصیب ہو گیا ہے۔ میں نے دھیاں احر کے دیکھ تو وہ بغیر آنکھوں  
 کے نظر آ گیا جو ماحد و ہے۔ جسے لوگ نارسانی کی منزل کہتے ہیں،



یہ مقام غموں سے آزاد ہے۔ یہاں پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے لیکن جس نے غم پایا وہی بے غم ہو گیا۔ یہاں عجب آرام ہے۔ دانش مند وہ ہے جس نے یہ مقام دیکھا ہے۔ دانش مند وہ ہے جس نے اس کا گیت گایا ہے۔

یہ حرف آخر ہے، مگر اس کا مزہ کیسے بیان کیا جائے۔ جس نے مزہ چکھا ہے وہی اس لذت کو چانتا ہے۔ کبیر کہتے ہیں کہ اس سے لذت اندوز ہونے کے بعد جاہل دانش مند بن جاتا ہے اور دانش مند خاموش ہو جاتا ہے۔

اودھوت (جوکی) نشے میں چور ہے۔ کیاں (علم) اور ویرا ہے (بے نیازی) کی تکمیل ہو گئی ہے۔ آتی جاتی سانس کا پریم پیانا اس نے پیا ہے۔ سارا آکاش نکیت سے بھرا ہوا ہے۔ انگلیوں کی مضرب کے بغیر تاروں سے نئے نکل رہے ہیں۔ میٹھ اور غم کا تکمیل جاری ہے۔ کبیر کہتے ہیں کہ جو کوئی اپنی زندگی کو زندگی کے سمندر میں مدوجا ہے اس کی روح مہا آند میں ڈوب جاتی ہے۔

آنکھوں پہر کا متوا پن ہے۔ آنکھوں پہر جام پر جام چل رہے ہیں۔ آنکھوں پہر سرمستی چھائی رہتی ہے۔ برہم کے جسم میں بھگت زندہ ہے۔

صرف سرور ہی سرور ہے۔ نہ دکھ ہے نہ کشمکش، وہاں میں نے بحر پورا نندا دیکھا ہے۔ وہاں غلطی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کبیر کہتے ہیں کہ وہاں صرف وحدت کا جلوہ دکھائی دیتا ہے۔

میں نے اپنے وجود (جسم) میں کائنات کا ہنگامہ دیکھا ہے اور مجھے دنیاوی غلطیوں سے بجات مل گئی ہے۔ خارجی اور داخلی وجود

سے ایک آسمان بن گیا ہے۔ محمد وداور لاسعد ودمحمد ہو گئے ہیں۔

میں دیدار کی شراب سے مست ہو گیا ہوں۔ تیرا نور بھر پور  
شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ گیان کی قہار میں پریم کا دیا جل رہا ہے۔  
شوہیہ کے آسن پر سادھنا کا ڈیرا ہے۔ کبیر کہتے ہیں کہ وہاں غلطیوں کا  
وجود نہیں اور زندگی اور موت کی کشمکش ختم ہو چکی ہے۔ (نظم نمبر ۱)

ڈاکٹر تارا چند نے اس نظم کے بعض حصوں کو معراج روحانی سے تعبیر کیا ہے جو خالص  
مسلم عقیدہ ہے۔ لیکن اس نظم میں بھی مسلم اور ہندو فکر کی ایسی آمیزش ہے کہ دونوں  
کے لیے قابل قبول ہو سکتی ہے۔ ”وجود“ اور ”غیب“ جیسے الفاظ کے علاوہ، جو اس وقت  
کی بول چال کے الفاظ نہیں ہو سکتے، کبیر نے گنگا اور جن کو ”گنگ“ اور ”جنم“ کہا  
ہے جو خاص فارسی تلفظ ہے، یہ براہ راست صوفی شاعروں کی روایت کی شہادت  
ہے۔ پھر ”دیدار کی شراب“ اور ”عشق کا نور“ بھی مسلم صوفی اثرات کا نتیجہ ہے۔ لیکن  
اس تصورات کے ساتھ جب کبیر ”شوہیہ“، ”ترلوک محل“، ”کائنات چکر“، ”کنول کے  
پھول“، ”آرتی“ اور ”غیب کے گھنٹوں“ کے تصورات کو ملا دیتے ہیں تو وہ اپنی ہندو  
وراثت کی نشان دہی کرتے ہیں۔

چوں کہ وحدانیت کے تائیدار کنار سمندر کی لہریں اپنے امگ امگ نام نہیں رکھ  
سکتیں، اس لیے کبیر نے ہندو یا مسلم نام اختیار کرنے سے انکار کر دیا

ہندو کہو تو میں نہیں، موسلمان بھی تاہیں

پانچ تھو کا پوجنا، گھٹی کھیلے ماہیں

(ترجمہ میں نہ ہندو ہوں نہ مسلمان، میں غیب کے کھیل میں پانچ عناصر کا ایک پتلا  
ہوں۔)

اس کے بعد خدا، اللہ، رام بری، گوہند، سائیں، صاحب، سب الفاظ ہم معنی ہو  
جاتے ہیں اور ان پر نرنے والے بے وقوف معلوم ہونے لگتے ہیں۔

رومی نے اپنی مثنوی میں ایک حکایت بیان کی ہے۔ ایک شخص نے چار مختلف زبانیں بولنے والوں کو ایک درم دیا۔ ایرانی نے کہا کہ اس سے انگور خریدے جائیں۔ عرب نے کہا نہیں، حنبل۔ ترک نے ازہر کا نام لیا اور چوتھے نے استقل کا۔ اس پر چاروں لڑنے لگے۔ اس وقت اگر کوئی چاروں زبانوں کا جانتے دار موجود ہوتا تو وہ ان بے وقوفوں کو بتاتا کہ سب ایک ہی چیز مانگ رہے ہیں، لڑائی صرف الفاظ پر ہو رہی ہے۔

اس مثنوی میں دوسری جگہ رومی نے چراغوں اور پھلوں کی تشبیہ استعمال کی ہے۔ اگر ایک مکان میں دس چراغ جمع کر دیے جائیں تو ہر ایک کی شکل دوسرے سے الگ ہوگی لیکن جب نور پر نظر جائے گی تو کوئی فرق نہیں معلوم ہوگا۔ اسی طرح اگر سوسپ اور سو بھی کا شمار کیا جائے تو سو نظر آئے گا لیکن نچوڑ دینے کے بعد سب کا رس ایک ہو جائے گا۔ دراصل معنی میں گنتی اور تقسیم ممکن نہیں ہے اس لیے یاروں کو یاروں سے مل جانا چاہیے در صورت کو چھوڑ کر، جو سرکش ہے، معنی کو اختیار کرنا چاہیے۔ (مثنوی، دفتر اول، ص ۶۵)

یہی بات کبیر کہتے ہیں مگر وہ ان پڑھ ہونے کی وجہ سے رومی کی طرح عالم اور مفکر نہیں ہیں اس لیے وہ عالمانہ تشبیہیں استعمال نہیں کرتے بلکہ زمین کی گری پڑی تشبیہوں سے کام لیتے ہیں اور براہ راست حملہ کرتے ہیں

دنیا کے دو مالک (جگدیش) <sup>۱</sup> کہاں سے آئے؟ تجھے اس بھرم میں کس نے جتنا کر دیا ہے؟ اند، رام، رحیم الگ الگ کیسے ہو سکتے ہیں؟ ایک سونے سے سب زیور بنائے گئے ہیں۔ یہ سب ایک نماز، ایک پوجا، کہنے سننے کی باتیں ہیں، اس کو اپنے وجود سے دور کر دے۔ وہی مہادیو ہے، وہی محمد۔ جو برہما ہے اسی کو آدم کہنا چاہیے۔ کوئی ہندو کہلاتا ہے اور کوئی مسلمان لیکن راجے ایک زمین پر ہیں۔ ایک

وید کی کتابیں پڑھتا ہے اور ایک خطبہ، ایک مولانا کہلاتا ہے اور ایک  
پنڈت۔ نام الگ الگ رکھ لیے ہیں، ویسے برتن سب ایک ہی مٹی  
کے ہیں۔ (نظم ۱۳۶)

رومی نے اپنے اشعار کو یہ عنوان دیا ہے کہ ”اس بیان میں کہ تمام پیغمبر برحق ہیں،  
جیسا کہ قرآن کی آیت ہے کہ ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں  
کرتے“، لیکن کبیر نے یہ عبارت لکھتے بغیر اسی جذبے کی ترجمانی کی ہے۔ ”اگر ان  
کے کام میں صوفیوں کی اصطلاحات سے زیادہ مطابقت نہیں پائی جاتی تو اس کی وجہ یہ  
نہیں کہ کبیر ان خیالات سے کم آگاہ تھے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عالم فاضل نہیں  
تھے۔ اس لیے جب انہوں نے ان تصورات کو اپنا یا تو فارسی شعروں کو مکمل طور سے  
اپنے دامن میں گھسوا نہ رکھ سکے۔“ (تارا چند، صفحہ ۲۳۹)

مصنف صوفی رسول اسلام کا نام لیے کے معاملے میں بہت محتاط ہیں۔ ان کا یہ  
اصول ہے کہ ”با خدا، یوانہ باش، یا محمد، ہوشیار۔“ کبیر سے پہلے رومی بعض مقامات پر  
انسانوں سے تجاوز کر گئے ہیں جہاں تک جانے کی ہمت اس سے کمتر درجے کے  
صوفی اور شاعر نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ یک غزل میں دو بہت سے پیغمبروں کے نام  
بیٹے ہیں اور پھر اشارے میں رسول اللہ کا ذکر کر کے یہ کہتے ہیں کہ رومی نے کوئی کھر کی  
بات نہیں کی ہے۔ یہاں صرف چند اشعار کافی ہوں گے

ہر لمحہ ہشکل مجھ میار برآمد	دل نرد و نہاں شد
ہر دم بہ لباسِ ذر آں یار برآمد	گرہ پیر و جواں شد
خود کوزہ و خوا کوزہ نرد خود گل کوزہ	خود دین و سید کش
خود بر سر آں کوزہ خریدار برآمد	بشکست و رواں شد
با اللہ کہ ہم او بود کہ می آمد وی رفت	ہر قرن کہ دیدی
تا عاقبت آں شکل عرب وار برآمد	داراے جہاں شد

تھا کہ ہم اد بود کہ می گفت اتا الحق      در صورتی الہی  
 منصور نہ بود او کہ بر آں وار بر آمد      ناداں بہ گماں شد  
 ایں دم بہ نہان است بہ ہیں مگر تو بصیری      ار دیدہ باطن  
 اینا ست کزو ایں ہمہ گفتار بر آمد      در دیدہ بیاں شد  
 روی سخن کفر نہ گفتست و نہ گوید      منکر مشویش  
 کافر شدہ آں کس کہ بہ انکار بر آمد      از دوزخیاں شد <sup>۲۲</sup>

(ترجمہ اس چالاک محبوب نے طرح طرح کی شیطانی اختیاری میں اور دل لے کے غائب ہو گیا۔ ہر بار دہرا پاس بدل کر آیا، کبھی بوڑھا بننا اور کبھی جوان۔ وہ خود ہی کوزہ ہے، خود ہی کورہ کر اور خود ہی کوزے کی مٹی اور خود ہی رند۔ پھر خود ہی اس کوزے کا خریدار بن کے آیا اور اسے توڑ کر چلتا ہٹا۔ قسم خدا کی وہ خود ہی تھا جو رہا نے میں آتا رہا اور جاتا رہا، یہاں تک کہ آخر کار وہ ایک عرب کی قتل میں ظاہر ہوا اور دنیا کا شہنشاہ بن گیا۔ وہی تو تھا جس نے خدا کی آواز میں اتا الحق کہا۔ وہ جو دار پر چڑھا منصور نہیں تھا، صرف نادانوں کو غلط فہمی ہوئی۔ اس وقت بھی دل کی آنکھ سے دیکھنے والے دیکھ سکتے ہیں، ہر پردے میں وہی چھپ ہوا بول رہا ہے۔ روی نے کفر کی باتیں نہ تو کبھی کہی ہیں اور نہ کہتا ہے، اس سے انکار نہ کرو۔ جس نے انکار کیا وہی کافر قرار پایا اور دوزخی ہو گیا۔)

وحدت تمام تشادوں کے خاتمے کا نام ہے۔ روی کے الفاظ میں ۱۰۰ھ اور شمر مل کر ایک ہو جاتے ہیں، عاشق ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں، رات اور دن کے پردے اٹھ جاتے ہیں اور چاند اور سورج ہم آغوش ہو جاتے ہیں۔ عاشقوں اور معشوقوں کا رنگ سونے اور چاندی کی آمیزش کی طرح مل جاتا ہے اور رافضی یہ دیکھ کر انگشت بہ دندان رہ جاتا ہے کہ علی اور عمر ایک ہیں۔ <sup>۲۳</sup> چنانچہ اس منزل پر بندہ سے اور خدا کا تعلق بھی ختم ہو جاتا ہے، اس لیے کبیر اپنی بعض نظموں میں دونوں کے لیے ایک سا انداز بیان اختیار کرتے ہیں۔



دل میں وہ کیا تھا اور اس کا اپنا وجود ہی اس کے لیے کافی تھا۔ وہ جس کا نہ رنگ ہے نہ روپ ہے، وہ جو بے صفات ہے۔ نہ تو ابتدا تھی نہ ارتقا نہ ابتدا، نہ اندھیرا تھا نہ دھند کا نہ اجالہ، نہ زمین تھی نہ ہوا تھی نہ آسمان، نہ آگ تھی نہ پانی، نہ گنگا جمنہ اور سرسوتی کے دھارے تھے، نہ سمندر تھا نہ موجیں، نہ گناہ تھا نہ ثواب، نہ دید نہ ان تھے نہ قرآن۔ (نظم ۸۱)

نہ میں دھرتی ہوں نہ احراری، نہ میں قانون کا بندہ ہوں نہ خواہشوں کا بندہ۔ نہ میں یوتا ہوں نہ مست ہوں، نہ میں عابد ہوں نہ معبود، نہ میں جبر کے قبضے میں ہوں نہ اختیار کے، نہ میرا کسی سے تعلق ہے نہ بے تعلق ہوں، نہ میں کسی سے دور ہوں نہ کسی سے قریب، نہ ہم جہم جاتے ہیں نہ جنت کا راستہ لیتے ہیں۔ سب کام ہم نے کیے ہیں لیکن ہر کام سے بے تیار ہیں۔ اس فلسفے کے سمجھنے والے کم ہیں، لیکن جس نے سمجھ لیا وہ مطمئن ہو گیا۔ کبیر۔ تو کسی مت کا بلی ہے نہ کسی مت کا منانے والا۔ (نظم ۷۹)

اس کے بعد کبیر کی طرح یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ وحدت کے کثرت میں تبدیل ہونے اور تخلیق کائنات سے پہلے، جب دشمن اور شکار کا بھی وجود نہیں تھا، میں ذات مطلق (بزم) کے عشق میں مبتلا تھا یعنی اس کے ساتھ ایک تھا (نظم نمبر ۲۹) اور رومی کی طرح یہ بھی دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ سب پتھر میں ہوں کعبہ بھی میں ہوں، کعبہ کے بت کدے میں بیٹھے والا ہر بت بھی میں ہی ہوں اور انجیل اور زبور اور قرآن بھی میں ہوں کیا اس لیے کہ:

در عشق نہ جسم و نہ جانم      چیزے عجم نہ این نہ آئم  
افزوں ز زماں و در زمانہ      پیروں ز مکان و در مکانم

ہر جا کہ زوم خراب عشقم      من کعبہ و بت کدہ نہ دافم  
 ہم سایہ آفتاب ذاتم      ہم موج محیط بیکرانم  
 (ترجمہ عشق میں نہ میں جسم ہوں نہ جان، نہ یہ ہوں نہ وہ۔ وقت سے بڑا ہوں اور  
 وقت کے پیمانے میں سمایا ہوا ہوں۔ مکان (Space) سے بالا ہوں اور مکان میں  
 موجود ہوں۔ جہاں بھی جاؤں میں عشق کا متوالا ہوں۔ میں کعبہ اور بت کدہ کچھ بھی  
 نہیں جانتا۔ میں آفتاب ذات (برہم) کا نور ہوں اور مایہ پیدا کنار سمندر کی موج۔

ان عاشقوں کی ایک ہی منزل ہے، منزل کبریا۔ کبیر کے الفاظ میں ”نشانہ  
 آسمان کی اوث میں ہے۔ داخلی طرف سورج ہے، بائیں طرف چاند اور نشانہ بیچ میں  
 چھپا ہوا ہے۔ تن کی کمان ہے اور عشق کی ذوری اور میں نے شہد (صوت سردی) کا  
 تیر تانا لیا ہے۔“ (نظم ۱۲۴) اور رومی کے الفاظ میں:

از کمان شوق تیر معرفت      راست کردہ بر نشاں انداختم  
 (ترجمہ شوق کی کمان میں معرفت کے تیر کو سیدھا کر کے میں نے نشانے پر مار دیا ہے۔)  
 اس مقام پر کبیر کی آواز رومی اور دوسرے عظیم صوفی اور سنت شاعروں کی آواز  
 کی طرح صرف وحدانیت کے جذبے سے سرشار ہے (نظم نمبر ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۹۴،  
 ۹۶)۔ اور اس سرشاری کے عالم میں کسی ظاہری رسم یا ظاہری عبادت کی گنجائش نہیں  
 ہے۔ وہ وحدت میں غفل ڈالتی ہے، اور جس کو اس عالم میں عبادت کے رسوم سوچنے  
 کی فرصت مل گئی وہ صحیح معنوں میں سرشار نہیں ہے، اس لیے وہ یا تو دکھاوے میں مبتلا  
 ہو جاتا ہے یا عبادت کے فرق پر اور رسموں کی ظاہری شکلوں پر لڑتا جھگڑتا ہے، جس کی  
 وجہ سے خدا کی مخلوق میں اختلاف پیدا ہوتا ہے اور مذاق کے دروازے کھلتے ہیں  
 دیکھو سادھو، ساری دنیا پاگل ہو گئی ہے۔ بچی بات کہو تو مارنے کو  
 دوڑتے ہیں لیکن جھوٹ پر ساری دنیا کا ایمان ہے۔ ہندو رام کا نام  
 لیتا ہے اور مسلمان رحمت کا اور دونوں آپس میں لڑتے مارتے ہیں،

لیکن حقیقت سے کوئی واقف نہیں۔ مجھے وحرم اور اس کے قوانین کے ماننے والے بہت ملے جو ہر صبح اٹھان کرتے ہیں اور آتما کو چھوڑ کر پتھر کی پوجا کرتے ہیں۔ ان کا علم اور عرفان جھوٹا ہے۔ میں نے حیر اور مرید بہت دیکھے ہیں جو کتاب اور قرآن پڑھتے رہے ہیں۔ وہ قبر دکھ کر لوگوں کو مرید بناتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ انھوں نے خدا کو نہیں پہچانا ہے۔ (نظم نمبر ۱۱)

اللہ دین کا اول اصول ہے اور اس نے زبردستی کی ہدایت نہیں فرمائی ہے۔ تمھارے پیر و مرشد کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟ روزے رکھنے، نماز گزارنے اور کھ پڑھنے سے جنت نہیں ملتی۔ کاش کوئی یہ بات جانے کہ ایک دل میں سفر کیجے ہیں۔ اپنے محبوب کو پہچانو اور دل میں رحم پیدا کرو اور مالک و متاع کو حقیر سمجھو۔ بہشت تو تب ملتی ہے جب سائیں کو اپنے پاس محسوس کریں۔ (نظم نمبر ۱۲)

اسے سادھو، یہ پانڈے بڑے متفان قصائی ہیں۔ ان کے دس میں ذرا مٹی رحم نہیں۔ اٹھان کر کے اور ٹک لگا کر بیٹھتے ہیں اور بڑی بات عدلی سے دیوتا کی پوجا کرتے ہیں۔ یہ اپنی آتما کو ایک پل میں مار دیتے ہیں اور خون کی ندی بہا دیتے ہیں۔ یہ بہت مقدس ہیں اور اونچے خاندان کے ہیں۔ لوگوں کا پاپ کاٹنے کے لیے یہ کھانڈتے ہیں اور کامن سے بہت نیچے کرواتے ہیں۔ میں نے دونوں کو ایک ساتھ ڈوبتے دیکھا ہے۔ (نظم نمبر ۱۳)

۱۱۰۔ لکھ، فحاک، پتھر، تیرتھ، سگرے پانی  
۱۱۱۔ کرشنا مرتے دیکھے، چاروں ویہ کہانی

نکر پھر جوڑ کے، مسجد لئی بنائے

وا چڑھ نکلا بانگ دے، کا بہرہ بھیو کھدائے

اور اس سب سے کبیر نے ایک ہی نتیجہ نکالا تھا

پتھی پڑھ پڑھ جگ نہوا، پنڈت بھیا نہ کوئے

ڈھائی اچھر پریم کے پڑھے سو پنڈت ہوئے

اس میں دلچسپ نکتہ یہ ہے کہ دیوناگری میں جب ”پریم“ لکھا جاتا ہے تو اس میں صرف ڈھائی حرف ہوتے ہیں۔

ظاہری مذہب سے بغاوت اور باطنی مذہب کی تبلیغ کا انتہائی پیہو یہ تھا کہ اس نے قرون وسطیٰ کے انسان کو خودداری، عزت نفس اور خود اعتمادی عطا کی اور انہوں کو انسانوں سے محبت کرنا سکھایا۔ سنتوں اور صوفیوں کے پاس اتنی طاقت تو نہیں تھی کہ وہ اس ظلم اور بدکاری کے خلاف لڑ سکتے جن کا مرکز شاہی دربار اور امیروں کے محل تھے، اس لیے انھوں نے ان کی طرف سے انتہائی حقارت کے ساتھ مسخہ پھیر لیا اور صبر و قناعت کی تعلیم دی۔ قناعت کا مقصد ترک دنیا نہیں تھا بلکہ بادشاہوں، درباریوں اور امیروں سے بے نیاز ہو کر تجارت اور جسمانی محنت سے روزی کمانا تھا، جس کا صوت کبیر نے پیش کیا ہے۔ اس زمانے میں تجارت کو شاہی ملازمت کے مقابلے میں حقیر سمجھا جاتا تھا اس لیے تجارت اور دستکاری کی آمدنی پر قناعت کرنا اور صبر و شکر کی زندگی گزارنا سب سے بڑی قناعت تھی۔ (شبلی نعمانی، ”شعراۃ النعم“) اور یہ قرون وسطیٰ سے جدید صنعتی اور تجارتی عہد کی طرف پہلا قدم تھا اس لیے تصوف اور بھکتی نے جاگیرداری نظام کی فکری بنیادوں کو ہلا دیا۔

کبیر کی تعلیمات نے عام ہندو اور مسلموں کو اپنا گرویدہ بنایا لیکن جنگ نظموں کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح ٹھکتے رہے۔ اس لیے انھوں نے کبیر کے خلاف ہنگامہ برپا کر دیا اور بادشاہ وقت سکندر لودھی تک شکایت کی۔ یہ تو پانچویں چلے کہ سکندر لودھی

نے نے کبیر کو سزا دی یا معاف کر دیا، لیکن یہ ضرور ہوا کہ کبیر نے کچھ غرصے کے لیے بنارس چھوڑ دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی تعلیمات دور دور تک پھیل گئیں۔

ڈاکٹر تارا چند کے الفاظ میں کبیر ”پہلا شخص ہے جس نے ایک مرکزی مذہب، ایک بچ کی راوی کا بے لاکھ آگے آ کر اعلان کیا۔ اس کا نعرہ پورے ہندوستان میں گونج اٹھا اور سینکڑوں مقامات سے اس کی آواز بازگشت سنی گئی۔ کبیر کے پیروان مذہب کی تعداد اتنی اہمیت نہیں رکھتی جتنا کہ کبیر کا وہ اثر جو پنجاب، گجرات، اور بنگال تک پھیل گیا اور دور مغلیہ میں بڑھتا گیا۔“ (”تہذیب ہند پر اسلامی اثرات“، ص ۲۷۰) دوسرے صوفیوں اور سنتوں کی تعلیمات کے ساتھ مل کر کبیر کی تعلیمات اور تصورات شافی ہندوستان کی تقریباً تمام زبانوں کے ادب میں سرایت کر گئے۔ ان کے براہ راست اثرات کا سرخ سرون تک کی تعلیمات میں بھی ملتا ہے اور آج کے عہد میں نیگور کے تصورات میں بھی۔ کسی شاعر کو اس سے بڑا خراجِ تحسین اور کیا مل سکتا ہے۔

ہمیں آج بھی کبیر کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ اس روشنی کی ضرورت ہے جو اس سنتِ صوفی کے دل سے پیدا ہوئی تھی۔ آج دنیا آزاد ہو رہی ہے، سائنس کی بے پناہ ترقی ہے۔ انسان کا اقتدار بڑھا دیا ہے، صنعتوں نے اس کے دست و بازو کی طاقت میں اضافہ کر دیا ہے۔ اس ستروں پر کندہ یں پھینک رہا ہے، پھر بھی حقیر ہے، مصیبت رہے، دور مند ہے، درنگوں میں بنا ہوا ہے، قوموں میں تقسیم ہے، اس کے درمیان مذاہب کی بیزاریں مڑی ہوئی ہیں، فرقہ وارانہ غرضیں ہیں، طبقاتی کشمکش کی تلواریں کھینچی ہوئی ہیں، بائبلوں اور قرآنوں کی جگہ بیوروکریسی لے رہی ہے، دلوں کے اندر اندھیرے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی خود غرضیاں اور غولیتیں میں جو انسان کو انسان کا دشمن بنا رہی ہیں۔ مذہب وہ حکومت، شمشادیت اور اقتدار سے آزاد ہوتا ہے تو خود اپنی بدی کا خاتمہ بن جاتا ہے۔ اس لیے اس کو ایک نئے یقیں، نئے ایمان اور نئی محبت کی ضرورت ہے، جو واقعی ہی پرانی ہے حقیقی کبیر کی آواز، اور اس کی صدا سے بازگشت اس عہد کی نئی

آواز بن کر سنائی دیتی ہے:

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں  
جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں  
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا  
نگاہ مرد مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں  
ولایت، پادشاہی، علم اشیاء کی بہاگیری  
یہ سب کیا ہیں، فقط اک نمہ ایمان کی تفسیریں  
براہمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے  
ہوس چھپ چھپ کے سینے میں ہٹا لیتی ہے تصویریں  
تمیز بندہ و آقا فساد آدمیت ہے  
خدا اے چہرہ دستاں، سخت ہیں فطرت کی تعزیریں  
حقیقت ایک ہے ہر شے کی، خاکی ہو کہ نوری ہو  
لبو خورشید کا بچے اگر ذرے کا دل چیریں  
یقیں محکم، محل چہم، محبت فاتح عالم  
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

(اقبال)

یہ کبیر کی، رومی، غرض تمام سنتوں اور صوفیوں کی تعلیمات کی نئی تفسیر ہے جو ایک نئی  
انسانیت کی بشارت لیے ہوئے ہے۔

سردار جعفری

بمبئی، اگست ۱۹۶۵ء

۱۔ کہا جاتا ہے کہ سوامی رامانند کا معتمد ایک برہمن اس سے ملے آیا تو اس کے ساتھ اس کی بیوی بیٹی بھی تھیں۔ لڑکی کے سوا کے جواب میں رامانند نے جین سونے کی دعا دی۔ یہ سن کر برہمن ٹھہرا یا نہیں رامانندی نے کہا کہ میرے لڑکا جانی نہیں جانتے۔ چنانچہ اس بیوی برہمن کے پیٹ سے یہ بیوی دوسرے ماں سے جنمائی کے ذریعے سے اپنے کو ایک تائب کے گھر سے پھینک دیا۔ اتفاق سے بتاؤں گا ایک مسلمان جو اپنی بیوی میرے ساتھ دوسرے گزر رہا وہ دونوں اس بچے کو انجائے اور اس کی پرورش اپنے بیٹے کی طرح کی۔ جب قاضی سے نام رکھنے کی فرمائش کی تو دل میں یہ غلط ٹکا۔ اس واقعے کی صحت کے متعلق کوئی تاریخی ثبوت پیش نہیں کیا جاتی نہیں میرا خیال ہے کہ یہ بیوی کی موت کے افسار کی طرح (میں ہاں رات سے) کا یہ افسانہ بھی اس کے مندرجہ بالا کی تعلیم پر درودینا ہے۔

۲۔ آٹھویں صدی شمرا پارچہ کی صدی ہے۔ اس پر اختلاف رہا ہے کہ بلوچ دھرم کے زور میں اور اسباب کے ساتھ، شمرا پارچہ یہ بھی پتہ دہر ہے یا نہیں۔

۳۔ دوسرے صدی جمہوریت سے قبل اس بات میں عرب کی قبائلی جمہوریت سے اثرات تھے۔ بلوچ دھرم کی دھرت سے نہیں ملے اندر عرب حالت حسب قبائلی منزل سے غل نہر ہا کہ دارنی جہ میں غل ہو گیا اور جاگیر رہی ششستہ دھرمی ورجہ کی خاندانی سلطنت کی شکل میں عام دھرمی تہذیب جمہوریت و جو خدا کے سامنے محمود اور ایاز کو ایک ہی صف میں گھڑا کرتا تھا۔ معاشی جمہوریت سے معنی تھے کہ مساوات کا پتہ تھی۔ ہوں تو حاکم اور محکم دونوں مسلمان تھے، لیکن اسلام کے نام پر ایک ملوثی حکم حکومت کر رہا تھا۔ جب حاکم اپنے محکموں کو اس کا قصور ہی حق نہیں دیتے تھے تو محکوم نے دھرم کی شکل میں اپنی سیکر کرتے تھے اور یہ فرستے دھرمی حکم کر حاکم ہوتے تھے۔ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں یہ عمل بہت پورے پورے پتے ایران اور چارہ پارے مشرق وسطیٰ میں نظر آتا ہے اور صوفی تحریک کے بکھرنے میں مدد دیتا ہے۔ ہندو مت میں جو مسلمان دھرم آئے وہ بھی اپنے ساتھ اسلامی

جمہوریت کا تصور لے کر نہیں آئے تھے۔ ان کے پاس ایک جاگیرداری شہنشاہیت کا تصور تھا جس میں حاکم اور محکوم کا فرق نمایاں تھا، خاندانی بزرگی اور شرافت پر زور تھا۔ ہاں وہ جدیدی مقاصد کے لیے ضرور اسلام کا نام استعمال کرتے تھے۔

۴

”جات جلاہ نام کبیرا، اج ہوں بچہ ناہیں  
تہاں جاہو جہاں پات نامہر اگر چند کھس لیناں  
آئی ہمارے کیا کرو گی، ہم تو جات کہناں“

ان دو مصرعوں میں ”پات نامہر“ کا لفظ سب سے زیادہ اہم ہے اور اس کے دو تمام معنی ہیں جو اوپر دیے گئے ہیں۔

(A Dictionary of Urdu, Classical Hindi and English by John T. Platts)

۵

کافر صغیر، مسلمان مرا درکار نیست  
بر رگ جاں مار گشت حاجت زکار نیست

(امیر خسرو)

(ترجمہ میں دو کافر ہوں جس نے عشق کو خدا مانا ہے اب مجھے، مسلمان کی ضرورت نہیں۔ میری ایک ایک رگ تار بدن گئی ہے، پھر میں جیو بہن کر کیا کروں۔)

۱۔ یہ دلچسپ بات ہے کہ کبیر کا خاندان ہندو سے مسلمان ہوا تھا اور اقبال کا خاندان بھی۔ کبیر نے اپنے آپ کو مسلمان کہہ کر برہمن پر فخر کیا اور اقبال نے اپنے آپ کو برہمن کہہ کر مسلمانوں کے سامنے غرور و مباہلات سے کام لیا۔ ”برہمن رادھ رادھ آشناسے دوم و تہریز است۔“ کبیر نے اپنی شاعری میں ہندو تشبیہ اور استعارہ استعمال کیا اور اقبال نے اسلامی روایات سے اپنی تشبیہ اور استعارے لیے، حالاں کہ ان کے فلسفہ خودی پر اپنشد اور ویدانت کا اچھا خاصہ اثر ہے جس پر ابھی تک تحقیقی کام نہیں کیا گیا ہے۔

۲۔ مولانا جلال الدین رومی سے بردیک و الحق اکسار کی آخری منزل ہے۔ جس طرح شہد میں ڈوبی، بوئی کھس میں نہیں سکتی اسی طرح استغریق کے عالم میں کوئی صوفی انا العبد (میں بندہ



ہوں) نہیں کہہ سکتا کیوں کہ اس میں دوئی ہے، ایک خدا اور ایک بدو، اور یہ غرور کی سرل ہے۔ خدا کے وجود کے سامنے اپنے وجود کا اخذ ہے۔ (مثنوی کا تہریزی ترجمہ از نکلس، ساتویں جلد)۔ لیکن یہ کہے کا حق صرف اہل باطن کو ہے، اہل ظاہر کو نہیں کیوں کہ اس کی سزا موت ہے جسے اہل باطن حشر عروسی سمجھتے ہیں اور اہل ظاہر سزا کا نام دیتے ہیں۔

۸۔ کبیر سے پیسہ بندی ربان نے کوئی بڑا اثر پیدا نہیں کیا۔ ملک محمد جانی کی تاریخ پیدائش ۱۳۹۴ء ہے اور "پداوت" کی ابتدا ۱۵۴۰ء میں شیر شاہ سوری کے عہد میں ہوئی جب کہ کبیر کا انتقال ۱۵۱۸ء میں ہو چکا تھا۔ اس لیے مسلمہ صوفیوں کے ذریعے سے کبیر کے پاس کئی سو برس کی ہری روایت آئی۔ صوفی مکتوں میں رومی، سعدی، عطار و حافظ کا کلام عام طور سے پڑھا جاتا تھا اور کبیر کی شاعری میں ان کے اثرات کی شہادتیں موجود ہیں۔

۹۔ تصوف میں سادہ کوئی مقامات سے گزرنا پڑتا ہے۔ انھی میں ایک مقام بٹا ہے اور ایک مقام فلا۔ دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ فارسی میں رومی مقام بٹا کے شاعر ہیں۔ جس طرح کوئی دوسرا صوفی شاعر رومی کے قریب نہیں پہنچتا ان طرح کوئی دوسرا ست شاعر کبیر کے قریب نہیں پہنچ پاتا۔

۱۰۔ قرآن میں آیا ہے کہ ایک رات رسول اللہ آسمان پر تشریف لے گئے۔ مسلم عالموں کی اکثریت یہ مانتی ہے کہ یہ جسمانی تجربہ تھا۔ لیکن بعض ماموں کا یہ خیال ہے کہ رسول اللہ جسمانی طور سے تشریف نہیں لے گئے تھے بلکہ یہ ایک روحانی تجربہ تھا۔ اس لیے اس اصطلاح میں کوئی ہیں معراج جسمانی اور معراج روحانی۔

۱۱۔ اصل عربی غلام اللہ ہے، ایرانیوں نے اس کا ترجمہ خدا کی، کبیر نے جگدیش اور رام کر دیا۔ اگر خدا قابل قبول ہے تو جگدیش بھی قابل قبول ہو سکتا ہے۔

۱۲۔ اس غزل کا دوسرا شعر فردرادر کے مرتبہ، یوں شمس تبریز (قبران ایڈیشن) میں نہیں ہے۔ مجھے بھگت سے یاد ہے اور افضل اقبال نے اپنی انگریزی کتاب *Life and Work of Rumi* (۱۹۶۱ء ایڈیشن) میں بھی اس شعر کو اسی غزل کا حصہ قرار دیا ہے۔ میرے دریافت کرے پر انھوں نے پروفیسر نکلسن کا حوالہ دیا۔

۱۳۔ اقتباس از اشعار "مثنوی معنوی" محمد "سوانح مولانا روم" شبلی نعمانی۔ (مطبوعہ مجلس

ترقی ادب، لاہور، صفحہ ۶۸) شیعوں کو رافضی کہتے ہیں جو حضرت عمر کی خانقاہ کو تسلیم نہیں کرتے۔ آخر میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

۱۴

قالب تو سین و تدلی یا دلی ہر سہ بیم  
ہمکہ انجیل و زبور و مصحف و قرآن مہم  
نورنی ولات و پلہیا، بعل و طافوت و منم  
کعب و سنی و سنا و مذبح و قرباں مہم

(رومی)

۱۵۔ دونوں نگرے قرآن کی آیتوں سے لیے گئے ہیں۔

"Permit me not henceforward to know thee thus imperfectly through these messengers Free me henceforward from dependence upon oratories, images and pictures which purport to represent thee upon the beauties of nature which reveal thee and even upon words which speak of thee It is for thee alone, for thyself, that I yearn Therefore surrender thou thyself now completely " (*St John of Cross* by A Peers, p 48 quoted by Bankey Bihari, in *Sufis Mystics and Yogis of India* )

۱۶

Tasavvuf was one of the strongest forces making for active benevolence and service to mankind in the past. Its leading exponents, e.g. Rumi, Hafiz, Attar and Jami, were the master spirits of their times. The ethical system they preached is the highest we can conceive. They believed that virtue is its own reward, and condemned the calculating goodness of the selfish clergy whose piety and devotion were motivated by the desire of reward in the hereafter. More important still, Tasavvuf gave self respect to mankind. During the middle ages when man had been reduced to the position of an abject

slave by despotism, it was mysticism alone that glorified him as divine in origin and gave him hope and confidence. The greatest service of Tasavvuf was that it was the only tolerant system in a world from which tolerance had been ruthlessly outlawed." (*A History of Urdu Literature* by Mohammad Saduq, Oxford Univeristy Press, p 9)

# کیربانی

(۱)

موگوں کہاں ڈھوڑھے بندے، میں تو تیرے پاس میں  
 نامیں دیول، نامیں مسجد، نام کعبے کیلاں میں  
 ناموگوں کرنا کرم میں، بہس بوگ ہراگ میں  
 کھوچی ہونے تو نرے ملیسوں ہل ہنر کی نام میں  
 کہیں کہیں سنو بھائی سادھو،  
 سب سوانوں کی سوانس میں

❦

ترجمہ:

اے بندے، تو مجھے کہاں ڈھوڑتا پھر رہا ہے، میں تو تیرے پاس ہی ہوں۔ نہ میں  
 مندر میں ہوں نہ مسجد میں، نہ کعبے اور کیلاں میں۔ نہ کسی ظاہری عبادت میں ہوں نہ  
 بوگ ہراگ میں۔ اگر سچے دل سے کھو بننے والا ہو تو ہل بھر کی تلاش میں مل جاؤں گا۔  
 کہیں کہتے ہیں بھائی سادھو ستو، دو تو ہر سانس میں موجود ہے۔

حاشیہ:

اسلامی عقیدے میں خدا دگ چن سے بھی زیادہ قریب ہے، تصوف کی روایات میں

اور اردو فارسی شاعری میں اس کی بے شمار مثالیں نہیں کی  
 دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار  
 اک ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

(نامعلوم)

جنہیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں  
 وہ نکلے میرے حکمت خانے دل کے تیسوں میں

(اقبال)

نہ تو اندر حرم سمجھی، نہ در بت خانہ می آئی  
 لیکن سوئے مشتاقاں چہ مشتاقانہ می آئی  
 قدمِ زیباک تر زن در حرم جانِ مشتاقاں  
 تو صاحب خانہ آخر چرا دزدانہ می آئی

(ترجمہ: تو کبھی میں سمجھتا تھا کہ اندر نہ بت خانہ میں لیکن اپنے چاہنے والوں کے پاس  
 کتنا خوش ہو کر رہتا ہے، اور چاہے والوں کے دل (حریم جان - قلوب خانہ - روضہ)  
 میں نذر ہو کر قدم رکھے۔ آخر تو ان سحر کا ماہب ہے پھر چوروں کی طرح آنے کی یا  
 ضرورت ہے۔ اقبال۔)

کال کے پائل بھگتوں کے یہاں بھی یہ تصور عام ہے

”اے دل میں تلے اور دھینے کیوں جاؤں

مرا محبوب (مونیر انیس) تو میرے پہلو میں ہے

اس سے آج کل سو کر، اس سے اور رونا میں، جوانانہ ہو جاتا ہوں

مندر اور مسجد میں عبادت کہاں

بر قدم پر مکہ ہے، بر قدم پر کاشی

میری زندگی کا ایک ایک پل مبارک ہے“

(اے کے سین کی انگریزی کتاب "بندہ ازم" سے ترجمہ)

اس تصور کی ابتدا آپنشد اور ویدانت سے ہوئی ہے اور یہ شاعری اور فلسفے کے غیر مذہبی (Secular) تصور کی طرف انسان کا پہلا قدم ہے جس میں مذہبی کتابوں اور عبادت خانوں کو چھوڑ کر انسان نے انسان کی روح کے اندر بھانکنے کی اور اس کی ذات میں دلچسپی لینے کی کوشش کی ہے۔

(۲)

### سستی جات نہ ہو جھو فرگیاں

سادہ رابیس، سادہ حوٹری، سادھے حدیسی سبار  
سادھے مار چیسس، کوہ سے، سڑھی سور پہچسبار  
سادھے ساؤ، سادھے دھوسی، سادہ حات سے سرن  
سادھے مار ریداس سست پس، شہج رشی سم بھسکیاں  
سدو نرت ذنی سے پس، کھیو سہس بھسکیاں

❖

### ترجمہ:

اے ہوادستان کی ذات یہ پتہ پتہ ہو۔ (بھواں کوڈھونڈنے والے) سادھو برہمن  
بھی ہیں اور چھتری بھی اور پتہ بھی۔ سادھوؤں میں چھتیس، اتیس اس کو تلاش کر رہی  
ہیں۔ تمہارا سوال اتنا مقام ہے۔ نائی، موہنی، برہمی سب ہی سادھو ہیں۔ نہیں میں  
سنت ریداس میں اور نہیں میں پنج، رشی جنیس دھمکی سمجھتے ہیں۔ خواہ خواہ بندہ اور  
مسلسلہ، مدد سب ان کے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان میں کوئی فرق نہیں۔

### حاشیہ

سنت ریداس اصلی نام رانی داس ہے۔ کیر کے ٹرو سوامی رامانند کے بارہ چیلوں میں



دیدہں بھی ایک ہیں جو ذات کے چہار تھے، وہ بھی غائب کاشی کے رہنے والے تھے۔  
 ان کی کوئی مکمل کتاب یا مجموعہ نہیں ملا، لیکن کچھ مخطیسات (غائب چالیس پد) سکھوں کی  
 مقدس کتاب گرگرنٹھ صاحب میں شامل ہیں۔

یہ عجیب اور دلچسپ بات ہے کہ قدون وسطیٰ کی وہ انسان دوست تحریک جس  
 نے پہلی بار انسانی برادری کو ایک سمجھا اور مذہب کو عشق بتا دیا اور جو یورپ میں مسی  
 سزم، ایران اور اسدی دنیا میں تصوف اور ہندوستان کے ہندوؤں میں بھکتی اور چین  
 میں تہی ایں اور جاپان میں ژن (دھیان کی بکزی ہوئی شکل) کے نام سے مشہور اور  
 مقبول ہوئی، ایک ایسی تحریک تھی جس کی ظاہری شکلوں پر ان مدتوں کے مذہب کا  
 رنگ چڑھا ہوا تھا لیکن اندرونی طور سے، یعنی اپنے معنی اور مقصد کے اعتبار سے، ایک  
 تھی، شروع سے آخر تک اس عہد کے دستکاروں کے ہاتھوں میں رہی، جیسا کہ مسک  
 پال خیمہ دوز تھے، منصور حلاج بزمی اور خود کبیر غلام تھے۔

ایک جیساکی نے حضرت عیسیٰ کو بھی دستکاروں کے زمرے میں شامل کر دیا ہے  
 ”وہ ہاتھ جو رحمت خداوندی بن کر لوگوں کے سروں پر سایہ آئین ہوئے تھے، جو تینا  
 آنکھوں کو بینائی عطا کرتے تھے اور جذامیوں کو اپنا کر دیتے تھے، جن کی ہتھیلیاں  
 صلیب پر زخمی ہو گئی تھیں، وہ ہاتھ محنت سے چور اور پسینے سے تر ہو چکے تھے، وہ کیلیں  
 ٹھونکنے جانتے تھے۔ وہ ایک سادہ محنت کش کے ہاتھ تھے۔ حضرت عیسیٰ نے انسانی روح  
 کو سدھارنے اور نکھارنے سے پہلے، آڑے کو اپنے ہاتھوں سے ستوارا تھا۔“

(Giovanni Papini, Life of Christ)

ڈاکٹر رادھا کد مکرجی نے اپنی انگریزی کتاب ”ہندو سولیزیشن“ (مطبوعہ بھارتیہ ودیا  
 بھون، بمبئی، جلد ۱، صفحہ ۱۵۵) میں ہندوستان کی مختلف جاتیوں اور دونوں کے فرقوں  
 بیان کیے ہیں ”براہمن تعلیم دینا، قربانی اور مذہبی رسوم ادا کرنا، دس یا خیرات وصول  
 کرنا، چھتری (کشتری) حفاظت اور حکومت کرنا، ویش تجارت اور کھیتی کرنا، جانور

پالنا، بیکننگ، شور سچائی، صفائی، انکسار، آچمن ستر کے بغیر انسان، لاشیں اٹھانا اور جلاتا، اپنی ہی جاتی میں شادی کرنا، اونچی جاتیوں کی خدمت کرنا اور شلپ ورتی یعنی دستکاری کرنا، مائی، دھونی، مصور، بڑھئی، لوہار کا پیشہ اختیار کرنا۔“

ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ سماج کی ترقی، جاگیر داری کے زوال اور تجارت اور ابتدائی سرمایہ داری کی نشوونما کے ساتھ ساتھ ویش اور شور کا درجہ بڑھ گیا کیوں کہ تجارت، کھیتی، جانور پالنا اور بیکننگ ویش کے ہاتھوں میں تھی اور تمام دستکار یا شور کے ہاتھ میں۔ بھنتی کی تحریک کے ساتھ ساتھ شاعری اور فلسفے بھی، جو برہمنوں کی میراث تھے، دستکاروں تک پہنچ گئے۔ اس کا آخری اور بڑا اثر اور مفکر کبیر ہے۔

پنج رشی کبیر چنتی گرتھوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ کھجک کی ابتدا میں جب کبیر صاحب کا ظہور ہوا تو کاشی (بنارس) کے سندرشن نامی مہاتما نے کبیر سے دکھ (شامردی) لی۔ وہ ذات کے بھتی تھے۔ پنڈت ہزاری پرشودوئی دیدی نے اپنی بندی کتاب "کبیر" میں لکھا ہے کہ مہا بھارت کی لڑائی بیت لینے کے بعد یدھشتر نے بیروں اور عزیزوں کا خوں کرنے کے گناہ سے بھات پانے کے لیے ایک بہت بڑا ٹکڑہ کیا۔ سرنی کرشن نے اس ٹکڑے میں ایک ٹھنڈا بندھ دیا اور کہا کہ جب ٹھنڈا سا تھوڑا سا بچہ تو بھٹنا چاہیے کہ گناہ سے نجات مل گئی۔ ہزاروں سادھو اور براہمن بھوجس کر چکے مگر ٹھنڈ نہیں بچا۔ تب کرشن جی کی ہدایت پر بھیم کاشی کے سندرشن بھنگلی کو بلائے گئے۔ بھیم کے عور کی چپ سے سندرشن نے سنے سے انکار کر دیا۔ تب یدھشتر خود چا کر انھیں بلائے اور بھوجن کرایا۔ ان سے بھوجن کرنے پر ٹھنڈ بچا۔ پھر سب کو کرشن جی کے کہنے پر پرپاٹ (الہ آباد) گئے۔ وہاں شگم کے پانی میں سب نے اپنا عکس دیکھا۔ صرف سندرشن بھنگلی کا عکس انسان کا تھا، باقی سب کے عکس کتے اور دوسرے جانوروں سے ملتے تھے۔

ستوں کی مائی ذات نہیں ہوتی، اس خیال کو صوفیانہ فکرنے اس طرح دیکھا ہے

بندۂ عشق۔ شدی، ترک نسب کن جامی

کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

(ترجمہ۔ اے جامی، اب عشق کی غلامی اختیار کی ہے تو باپ دادا کا نام بھول جاؤ،

کیوں کہ اس راستے میں یہ بات کہ فلاں فلاں کا بیٹا ہے بے معنی ہے۔)

باز می گویم و از مکتب خود دل شادم

بندۂ عشقم و از ہر دو جہاں آزادم

(ترجمہ میں یہ بات پھر دہرا رہا ہوں در اس بات سے خوش ہوں کہ میں عشق کا غلام

ہوں اور دونوں جہان کی پابندیوں سے آزاد ہوں حافظ شیرازی)

(۳)

سادھو بھائی، جیوت بی کرو آسا

حبوب سمجھئے، حبوب بو جھئے، حبوب ٹکسی نواس  
 حبوب نکرہ کی پیاسیں نہ کسی، موٹھے ٹکسی کی آسا  
 میں جھوٹے حبوب میں کہہ پڑے، سو سب حبوبی آسا  
 اب ہوں وہ لا سب نون ملے گا، سہیں سو حبوب نر آسا  
 سب تھری سب نکرہ کو جیسہیں، سب نام وسواسا  
 تھیں کسر سادھیں پکارتی، یہ سادھیں کیے داسا

ۛۛ

ترجمہ:

میں سے بھائی، اب تک زندہ ہوتا ہوں میرے رعبو۔ کچھ بوجھ زندگی کے ساتھ ہے۔  
 نبوت بھی زندگی ہی میں ممکن ہے۔ اگر تم نے زندگی میں اپنے بندھن نہیں توڑے  
 (ہر کا پند نہیں گا)، تو مرنے سے حد بات کی کیا امید رکھتے ہو۔ یہ ایک خیال  
 عام ہے۔ رات دن سے گل رہنمواں سے مل جائے گی۔ اگر وہ اب ملا تو تھپ ملے گا،  
 نہیں تو موت کی گھڑی میں بٹا پڑے گا۔ ست (صدائق) کو آج گرفت میں لاؤ،  
 ست گرو کو آج بچاؤ۔ ست نام پر آج یقین کرو۔ کبیر کہتے ہیں کہ ہم تو تلاش اور جستجو

کے جذبے کے غلام ہیں، کیوں کہ آخر میں یہی جذبہ کام آتا ہے۔

حاشیہ:

کرم کی پینس تمام مذاہب میں یہ عقیدہ عام ہے کہ اخلاقی قوانین خدایا، یوتاؤں کے بنائے ہوئے ہیں اور ان پر عمل کرنا انسان کا فرض ہے۔ اخلاقیات کے اس تصور میں پہلی بنیادی تبدیلی مہتمم بدھ (پانچ سو قبل مسیح) نے کی جن کی تعلیم میں اخلاقی قوانین خود انسان بناتا ہے اور ان کو اپنے دھرم پر قائم کرتا ہے۔ جس نہ یمن، خواہش سے بچنا، جھوٹ اور نقشے سے پرہیز کرنا، یہ سب خود مختاری فرائض ہیں جن سے کوئی ثواب نہیں ملتا بلکہ شعور اور چیتنا پر مبنی ہے یا دہرہ۔ انھہ جاتے ہیں جو شعور اور چیتنا پر پڑے ہوئے ہیں۔ ان فرائض و دھرم پر عمل کرنا اچھا کرم ہے اور اس کے مقابلے پر برا کرم ہے۔ در دونوں سے عمل در عمل کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جو لامتناہی ہے۔ لیکن ہر کرم، چاہے وہ اچھا ہو یا برا، ایک طرح کا البھو ہے، انسان کی گروں میں پڑی ہوئی رمی ہے جو اسے عمل اور دھرم کے امتناہی سلسلے میں کھینچنے کے لیے جاری ہے۔ اسی کو کبیر نے "کرم کی پینس" (پینس) کہا ہے۔ اس لیے بدھ مکیان کی اپنی منزلوں میں اپنے آپ کو اچھے اور برے دونوں طرح کے کرم کے پھسوں سے آزاد کر لینا شامل ہے۔ یہاں سے روانہ کی منڈلیں شروع ہوتی ہیں۔ بھگتی تحریک پر اور مفت کو یوں کے یہاں بدھ دھرم سے اس اخلاقی نظریے کی پریمیاں اکثر مل جاتی ہے۔ اس خیالی کو کبیر نے عمر ۶ میں اس طرح پیش کیا ہے کہ عمل صرف مکیان حاصل کرنے کے لیے ہے۔ مکیان حاصل ہو جانے کے بعد عمل اسی طرح بے کار اور غیر ضروری ہو جاتا ہے جس طرح پھل آ جانے کے بعد پھول کی ضرورت نہیں رہتی۔

اس علم کا ایک پسواور بھی ہے جو کسی حد تک محدود ہے۔ اس میں شیخ سعدی اور

اقبال، کبیر کے ہم خیال ہیں:

تو کار زمیں را نکو سہنجی  
کہ با آسمان نیز پروا خنی

(سعدی)

(ترجمہ کیا تو نے زمین کا نکاح سوار لیا ہے جو آسمان کی طرف پروا نہ کر رہا ہے؟)

اگر نہ سہل ہوں تجھ پر زمیں کے ہنگامے  
نہی ہے مستی اندیشہ ہائے افلاکی

(اقبال)

(۴)

ہاگوں ہا حارے ہا حاء سہری کھا مسر مگر حار  
سہس کنول ہر مینو کھے ہو دساجے روپ بازار

۵

ترجمہ:

ارک بانوں میں کیا مارا مارا پھر رہا ہے، خود تیرے وجود میں فکر اور ہے، ہزار چکھڑیوں  
کے کنول (وں) پر بیٹھ کر تو حسن و طلاق کا امتیازی معیار دیکھتا ہے۔

حاشیہ:

سہس کنول (سہرہ = نر) ہزار چکھڑیوں کا کنول۔ ہائنرش زمر (Hennrich Zimmer) نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے۔ تخلیق، تحریر اور تخلیق نو کا ادنیٰ اور  
ابدی عمل جاری ہے۔ وہ مہاپرش، دوسرا یہ جو، دو، است و مطلق ہے و مٹتا رہتا ہے اور  
کائنات (Cosmos) کے اصول اول، مہادی پانی کی تاریک گہ پر تیر رہا ہے، جب  
اپنے طف و کرم سے، اپنی خوشنودی و فیاضیت (Universe) کو پھر کے تخلیق  
کرنا چاہتا ہے تو اس کی ناف سے ایک تہا نول باہر نکلتا ہے جس میں خاص سونے کی  
ہزار چکھڑیاں ساری کی تاب و تاب سے جھمکتی ہیں اور یہ خالق آفاق نوال کے ساتھ

ساتھ رہا کو بھی باہر نکالتا ہے جو نول کے بچوں بچ میں ہوا تخلیقی طاقتوں کے ذریعے  
جملہ کارہا ہے۔

یہ براہ ایک ایسا یوگی سے جسے اپنے اوپر اور کائنات اور آفاق کی طاقتوں پر پورا  
پورا قابو ہے۔ جس کوئی اس میں اپنی تپسیا سے روحانی طور پر مٹی مقدمات حاصل کر رہا ہے  
تو دشمنوں کا اعتراف کرتا ہے اور وہ شخص بھی حلیں القدر یوں ہو جاتا ہے اور تخلیق  
کائنات و آفاق کے اس منہر سے سنگھ میں اس نول پر بیٹھ کر نامحدود حسن (روپ  
اپار) کا جلوہ دیکھ سکتا ہے۔

کبیر کے دو بے کی معنویت میں تک سے، نہیں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں  
ہے کہ ہمارے نول کو زمین کا بیوی بھی مانتا جاتا ہے جبکہ وہ خود میں کی دیوی دھرتی مانتا  
ہے۔ ہندو معنیات (Iconography) اور اسطوری نشانات (Mythological  
symbols) کے اعتبار سے اس نول کی پگھلیوں کی اپنی مٹی پر وہ سر زمینیں آباد ہیں  
جن تک رسائی ممکن نہیں۔ پگھلیوں کی بجلی پشت پر سانپوں اور دیوں (بلش) کی  
بستیاں ہیں اور اس پھول کے دس (اسط) میں وہ براعظم ہے جس کا ایک حصہ بھارت  
ورش ہے۔

ایک اور علامت = کائناتی گہرائیوں (Cosmic Abyss) میں بھرے ہوئے  
تاریک پانیوں پر زمین اس طرح تیرتی ہے جیسے شعور کے تاریک سمندر میں شعور کا  
جہاز تاروا نول تیر رہا ہو۔ یہ نول تخلیق کا مرکز و اذوا کائنات کی کوکھ ہے۔ یہ تخلیقی اصول  
کی پہلی پیدائش ہے۔ اس کے دل سے برہما پیدا ہوتا ہے۔ کبھی پانی عورت ہے اور  
نول تخلیقی عنصر اور کبھی خود نول دھرتی مانتا اور نئی کی دیوی ہے۔

ادیوں کی ابتدائی روایات میں نول کی دیوی کا ذکر نہیں ہے۔ آریوں نے بعد  
میں اسے قدیم ہندوستان کے غیر آریائی باشندوں کی عوامی تہذیب اور عوامی روایات  
سے اخذ کیا اور اسے شری اور کشمی کے ناموں سے یاد کیا۔ کشمی، جو دولت کی دیوی



ہے، کنول کی علامت رکھتی ہے، اس لیے اس کو کنول کی بیٹی ”پدم شھو“ کہا گیا ہے زمانہ ماقبل تاریخ کے قدیم غیر آریائی ہندوستان میں دو چاول و دروہن کی دیوی ہے۔ اب وہ ہندوستانی دیو مالا کی سب سے زیادہ محبوب، مقبول، پیاری اور بروں عزیز دیوی ہے جو تصویروں میں کنول کے پھول پر کھڑی ہوئی نظر آتی ہے۔ کبھی کبھی اس کے بازو سے کنول کا پھول اور اس کا ڈھنسل زیور کی طرح لپٹا ہوتا ہے۔ بدھ آرٹ میں کنول پر بیٹھے ہوئے بھگوان بدھ یا اپنے ہاتھوں میں کنول کا پھول لیے ہوئے بودھی سٹو — پدم پانی — زمانہ ماقبل تاریخ کے قدیم ترین ہندوستان کی روایات سے اپنا روحانی رشتہ جوڑ رہے ہیں۔

کبیر کے اس شعر میں جو خیال ہے وہ فارسی اور اردو کے شعرا کے یہاں بھی عام ہے اور صوفی روایات سے آیا ہے جن پر شمس اور دیوانت کا اچھا خاصا اثر ہے

اے تماشا گاہ عالم روئے تست

تو کہا بہر تماشا می روی

(ترجمہ ساری دنیا تیرے چہرے کا تماشا دیکھتی ہے۔ تو خود کہاں تماشا دیکھنے جا رہا ہے: سعدی)

ستم است اگر ہوست کشد کہ بہ سیر مرد و من در آ

تو نہ غنچہ کم نہ دمید، در دل کشا، بہ چمن در آ

(ترجمہ کیسے ستم کی بات ہے کہ ہوں تجھے باغوں کی سیر کے لیے بھینے لیے جا رہی ہے۔ تو تو خود ایک کھلتا ہوا پھول ہے، دل کے دروازے کو کھول کے اپنے ہاتھ میں داخل ہو جا بیدل)

دنیا کے تمام مذاہب میں اس خیال کی بنیادی وحدت کی طرف ڈاکٹر رائد

کرشنن نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے

جب ہندو اتر آتما کی بات کرتے ہیں، اور بدھ، حرم والے خود بدھ

کی بندی تک پہنچنے کے امکان کو تسلیم کرتے ہیں، اور یہودی یہ اقرار کرتے ہیں کہ انسانی روح خدا کا چراغ ہے، اور جب عیسائی یہ اعلان کرتے ہیں کہ خدا کی بادشاہت تمہارے وجود کے اندر ہی ہے، کیا تمہیں یہ نہیں معلوم کہ معبد خداوندی اور روح خداوندی تمہارے سینے میں ہے، اور جب حقیر اسلام یہ فرماتے ہیں کہ خدا ہماری رُک جوں سے بھی زیادہ قریب ہے، تو یہ سب مختلف طریقوں سے ایک ہی بات کہتے ہیں اور وہ یہ کہ الوہیت کوئی بیرونی جابرانہ طاقت نہیں ہے، خدا کوئی سلطان نہیں ہے، بلکہ وہ روحانی اور اندرونی اصول ہے جو خودی میں پیوست ہے۔ یہ اندرونی روشنی (انتر جیوتی) ہے۔ ہم سب الوہیت کی پنکاریاں ہیں اور خدا کے ساتھ خدا کی طرح تخلیق کے عمل میں مصروف ہیں، اور ہمارا فرض ہے کہ ہم طاقت کے مقابلے میں جدوجہد کریں تاکہ ہدی اور تانسانی اور تابری کو ختم کر کے انسانی زندگی کے معیار کو بلند کریں۔

(۵)

اودھو مایا تجی نہ جانی  
گرہ سج کئے بستر باندھا، بستر نہ کئے پھیری  
کام نہجے ہیں کروڑہ بہ جانی، کروڑہ نہجے ہیں لوبھا  
لوبہ نہجے اہستکار بہ جانی، مان بڑائی سوہیا  
س بیراگی مایا تباہی، شہد میں شہرت سمائی  
کہیں کبیر سنو بھائی سادھو، بہ گمہ برائے بانی

❦

ترجمہ:

اودھو، مایا کو تچ دینا کتنا مشکل ہے۔ گھر کو چھوڑ کر جو گیا بھیس بنایا، اسے بھی چھوڑا تو  
پھیری کے فقیر بن گئے۔ خواہشوں سے نجات حاصل کی تو غصہ باقی رہ گیا، اور غصے کو  
چھوڑا تو بالچ نے آٹھیرا، بالچ کو تچ دیا تو غرور نے سراغ دیا۔ جب مایا کو تیا گم کر من  
بیراگی ہو جاتا ہے تب بھی انظلوں کا پھیر باقی رہتا ہے (یعنی شامستروں میں الجھا رہتا  
ہے)۔ سنو بھائی سادھو، کبیر کہتے ہیں کہ نجات کا راستہ (گم = رہس = بھید) کم ہی  
لوگوں کو مل سکتا ہے۔

### حاشیہ:

اودھوت = لفظی معنی ہیں وہ جس کی بیوی نہ ہو، یعنی عداًق دنیا سے سزاؤں۔ کبیر نے یہ قضا نامہ چنتی جوگیوں کے لیے استعماں کیا ہے جن کی کبیر کے نظام فکر میں اچھی خاصی مان دیا ہے۔ کچ اوستا (فطری انداز) پر اپت (حاصل) کرنے پر سادھک سادھنا کرنے والا اودھوت بن جاتا ہے۔ "اے میرے چیت وہاں چل کر دشرام کر جہاں سورج اور چاند کی بھی رفتار نہیں ہے، جہاں ابتدا بھی نہیں اور انتہا بھی نہیں اور وسط بھی نہیں، بنر بھی نہیں، سرن بھی نہیں، اپنا بھی نہیں، پرایہ بھی نہیں، جو مہا سکھ ہے، جو کچ اوستا ہے۔" (دیکھیے نظم ۴۱)

(۶)

چندا جھلکے یہی گھٹ مابیں  
اندھی آنکھن سو جھے نابیں  
یہی گھٹ چندا یہی گھٹ سُور  
یہی گھٹ کاجے اُن حد تُو  
یہ گھٹ باحے طہل نساں  
بہرا شہد سنے نہیں کان  
جب لگ سیری سیری کرے  
تب لگ کاج اہکو نہیں سرے  
جب سیری سستا مرحائے  
تب لگ پرہو کاج سنوارے آئے  
گیان کے کارن کرم کمائے  
بوئے گیان تب کرم نساں  
پہل کارن پھولے ہی والے  
پہل لاگے ہر پھول سُنکھائے

مرہی پامں کنوری باس  
آپ نہ کھو جسے کھو جسے گھاس

❖

ترجمہ:

اس گھٹ (وجود) میں چاند بھٹکتا ہے لیکن اندھی آنکھوں کو دکھائی نہیں دیتا۔ اسی گھٹ میں چاند سے اور اسی گھٹ میں سورج، اور اسی گھٹ میں ابدیت کا سار چھڑا ہوا ہے۔ اس گھٹ میں فکارے بن رہے ہیں لیکن بہرے کانوں کو کچھ سنائی نہیں دیتا۔ جب تک آدمی میری میری کرتا رہتا ہے کوئی کام نہیں بنتا۔ جب ممتاز جاتی ہے تب پرہیز آ کر کام سنوارتے ہیں۔ عمل کا مقصد صرف علم (عرفان) ہے لیکن جب علم (عرفان) آ جاتا ہے تو عمل بے کار ہو جاتا ہے، جیسے پھول پھل پیدا کرنے کے لیے کھلتا ہے، پھل آنے کے بعد پھول مرنے لگتا ہے۔ ششک خود ہرن کے تانے میں ہوتا ہے (جس کی خوشبو سے قرار رکھتی ہے) لیکن وہ اس کو اپنے جسم کے بجائے گھاس میں تلاش کرتا ہے۔

حاشیہ:

گھٹ، وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مٹی کا برتن، جسم، دل، دماغ، روح، فکر وغیرہ۔ کبیر کا محبوب لفظ ہے۔ (دیکھیے نظم ۸)

(۷)

سادھو برہم الکھ لکھایا

جب آپ آپ درسایا

بیچ مذہ جیوں برنجیا در سے، برنجیا مذھے جھایا

جیوں سہ مذھے سن دیکھجیے، سن انت آکارا

سہ اچھرتے اچھر بیسے، اچھر جھہر بستارا

جیوں دی مذھے کرن دیکھجیے، کرن مذہ بر ک سا

پر ماسم میں جیو برہم ام، جیو مذہ نم شواسا

شوانت مذھے شد دیکھجیے، اردھ شد کے ماسمیں

دربہ تے جیو، جیونے مں یوں، یارا ملا سدا بی

آپ بی برنجہ بیچ انکورا، آپ بیول پھل جیایا

آپ ہی سور کرن پر کاسا، آپ برہم جیو ماسا

اسا کدر سی سہ آجی، سواس شد ارتھ یا

نہ اچھرتاچھرت جھہر آپے مں جیو برہم سما یا

آنہ میں پر ماسہ در سے، بر ماسہ میں چھانی

چھانی مں بر جوائی در سے مکھیے کیرا سانی



## ترجمہ:

سادھو، باب برحم۔ اپنے آپ کو غیب تو شہود نہ دکھایا۔ جیسے سچ میں درست  
 دکھائی دیتا ہے اور درست میں سایہ جیسے آدن میں خلا (نس۔ ثویہ)، دکھائی دیتا ہے  
 اور خلا میں سائے شکلیں، اسی طرح محدود کی پشت سے محدود، ٹھٹھ سے (درا، اور)  
 اور محدود سے ال سے کل بر محدود پھیل جاتا ہے۔ جیسے سورج میں کرن نظر آتی ہے  
 اور ریں میں روشنی، ویسے ہی پر تھا میں دیو اور دیو میں سانس اور سانس میں غلط اور غلط  
 میں معنی سمجھتے ہیں۔ برحم میں دیو ہے اور دیو میں برحم، دونوں الگ الگ ہیں اور دونوں  
 ایک ہیں۔ وہ خود ہی سچ ہے، خود ہی سچ ہے، خود ہی کونسل، خود ہی چول چل اور سایہ۔  
 وہ خود ہی سورج ہے خود ہی کرن ہے، خود ہی روشنی ہے، خود ہی برحم ہے، خود ہی دیو ہے  
 خود ہی مایہ۔ وہ خود ہی حد کی حدت نکالے گا، خود ہی آسمان، خود ہی سانس، خود ہی  
 غلط، خود ہی سچی۔ وہ خود ہی حد ہے، وہ خود ہی ہے حد اور خود ہی حد اور سے حد سے  
 ہر۔ وہ خود ہی خلق ہے، وہ برحم اور دیو کے اندر متل کل ہے۔ آقا میں پرما تھا، اسی  
 بتاتا ہے، پرما تھا میں نما میں (بسم)، اجا میں میں پرما میں اگائی دیتی ہے اور  
 بتاتا ہے میں اس نگرے میں مجھ ہے۔ (نفس مندی پنڈتوں کا خیال ہے کہ یہ بے کا پر  
 (نظم) نہیں ہے۔)

## حاشیہ:

جانی میں سے آشری بڑے شاعر ہیں جو قریب قریب کیر کے ہم عصر تھے جانتے  
 ہیں۔ ان کی شاعری سو دیند ہے۔ ان نظم کے ساتھ ہی ایک غزل پڑھی جائے تو  
 خوب یاد جائے گا

حسن خویش از روئے خواب آشکارا کردہ ای  
 بس چہ چشم عاشقان آن را تماشا کردہ ای



زآب و گلِ نعلِ جمالِ خویشِ محمودِ ای  
 شمعِ گلِ رخسار و ماہِ سروِ بالا کردہ ای  
 جرءِ ای از جامِ عشقِ خودِ بنک افشاندہ ای  
 ذوقِ عقلِ را مجنون و شیدا کردہ ای  
 گرچہ معشوقِ لباسِ عاشقِ پوشیدہ ای  
 انگہ از خودِ جلوۂ پر خودِ تنها کردہ ای  
 بر رخ از زلفِ سپہ مشکیں سلاسلِ بستہ ای  
 عالے را بستہ زنجیرِ سودا کردہ ای  
 موکبِ خدمتِ نہ گنجہ در زمین و آسمان  
 در حرمِ سینہ حیرانم کہ چوں جا کردہ ای  
 میکنی جای گم اندر عشق، اسم و رسمِ خویش  
 آفریں ہادہ بریں رسمے کہ پیدا کردہ ای

(ترجمہ) تو نے اپنے حسن کو معشوقوں کے چہروں سے آشکار کیا ہے، اس لیے عاشقوں  
 کی آنکھ سے اس کا تماشا دیکھتا ہے۔ اپنے جہاں کا عکس تو نے پانی اور مٹی میں ظاہر کیا  
 اور اسے گلِ رخسارِ شمع اور بلند قامت چاند — حسین صورت — میں تبدیل کر دیا۔  
 اپنے جامِ عشق سے ایک جرء، ایک گھونٹ، زمین پر اندیل دیا اور ہزاروں فن جانے  
 والی عقل کو دیوانہ بنا دیا۔ حالانکہ تو معشوق یعنی حسن ہی حسن ہے لیکن تو نے عاشقی کا  
 لباس پہن رکھا ہے اور اس کے بعد اپنے حسن کو خود ہی دیکھنے کی تمنا کر رہا ہے۔ تو نے  
 مشک کی طرح مہکتی ہوئی کافی رنغوں کی زنجیریں اپنے چہرے پر باندھ لی ہیں اور اب  
 ایک دنیا کو دیوانگی کی ان زنجیروں میں جکڑ لیا ہے۔ تیرے حسن کا لشکر زمین و آسمان کی  
 وسعتوں میں بھی نہیں سانسکتا، پھر بھی میں حیران ہوں کہ تو نے سینے کے اندر کیسے جگہ  
 بنائی۔ اسے جہی، تو نے اس عشق میں اپنا نام اور اپنا کام سب کچھ گم کر دیا ہے۔ اس

رسم عاشقی کا کیا کہنا جو تو نے پیدا کی ہے۔  
 سترھویں اور اٹھارویں صدی کے اردو شاعروں نے اس خیاں کو ایک شعر  
 میں یوں کہا ہے

حسن تھا پردہ تجرید میں سب سوں آزاد  
 طالب عشق ہوا صورت انسان میں آ

(۸)

اس گھٹ انتر باگ بگیچے، اسی میں سرجن ہارا  
 اس گھٹ انتر سات سمندر، اسی میں نولکھ تارے  
 اس گھٹ انتر پارس موتی، اسی میں پرکھیں ہارا  
 اس گھٹ انتر ارا حد گرچے، اسی میں اُنخت ہنہارا  
 کہت کبیر سسوی بھانی سادھو، اسی میں سانیں ہنارا

❦

ترجمہ:

اسی گھٹ (وجود) کے اندر باغ کھلے ہوئے ہیں اور اسی میں باغبان (سرجن) ہارے۔  
 خالق (ہے)۔ اسی گھٹ میں سات سمندر ہیں اور اسی میں نولکھ تارے۔ اسی گھٹ میں  
 پارس اور موتی ہیں اور اسی میں پرکھنے والے۔ اسی گھٹ میں لکھ دھرت گرج رہی  
 ہے اور اسی سے فوارے پھوٹ رہے ہیں۔ سنو بھانی سادھو، کبیر کہتے ہیں کہ اسی گھٹ  
 میں ہمارا مالک (سائیں) ہے۔

حاشیہ:

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے  
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

(اقبال)

یہاں کافر و مومن مند و اور مسلمان کے معنوں میں ضمیمہ استعمال کیے گئے ہیں۔ مومن  
مذہب عرفان (سنت) ہے اور کافر بے یقین اور مشکوک (وہ دنیا کا شکار)۔

(۹)

ایسا لو نہیں تیسالو، میں کہہ بدھی  
 کنھوں گنہیرالو  
 بھینر کہوں تو جگ مے لاجے،  
 باہر کہوں تو جھوٹھالو  
 باہر بھیر سکل رنر، جت اجب دوڑ پٹھا و  
 درشت نہ منشت پر گٹ اگوجر،  
 ہائن کہا نہ جانی لو

❖

ترجمہ:

آہ میں حرف راز کو کیسے ادا کروں۔ کیسے کہوں کہ وہ ایسا ہے یا ویسا ہے۔ اگر میں کہوں کہ وہ میرے اندر ہے تو سارا جگ شرما جائے اور اگر یہ کہوں کہ وہ مجھ سے باہر ہے تو بات جھوٹی ہو جائے گی۔ اندر اور باہر کی شکلیں ایک دوسرے الگ نہیں کی جاسکتیں۔ شعور اور شعور اس کے دوزخ ہیں۔ نہ تو وہ نظر میں آتا ہے نہ گرفت میں آتا ہے، نہ ظاہر ہے نہ پنہاں، وہ کیا ہے یہ کہنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔

نوہی موری لگی لگائے رے بھکروا  
 سووت رہی میں اپنے مندر میں  
 سدن مار جگائے رے بھکروا  
 بوڑھ رہی نہو کے ساگر میں  
 بہتا ہر سمجھائے رے بھکروا  
 اہکے بچے، بچن نہیں ڈوجا  
 نم موسیٰ بند جھڑائے رے بھکروا  
 کسے کبیر سنو بھائی سادھو  
 ہران ہران لگائے رے بھکروا

۞

ترجمہ:

اے ہی مجھے اپنے عشق میں جتا دیا ہے اے فقیر۔ میں تو اپنے مندر میں سوری تھی  
 اے فقیر، تیرے غظوں کے تار پانے سے مجھے جکا دیا۔ میں دنیا کے ساگر میں ڈوب  
 رہی تھی اے فقیر، تو نے میرا بار دیکھ کر مجھے ہار کال دیا۔ بات ایک ہی ہے اے فقیر، تو  
 نے مجھے سارے بندھنوں سے چھٹکارا دیا۔ سنو بھئی سادھو، کبیر کہتے ہیں کہ تو نے

میرے دل سے اپنا دل ملا دیا ہے اے فقیر۔

حاشیہ:

سبدن مار چکائے شہدوں (لفظوں) کی ماریا شکست کی چوٹ سے بگاتا ہے، صوتِ سرمدی سے بیدار کرتا ہے۔ شخصیت میں ایک چیز ہے ”شہد سادھنا“ (دیکھیے ظلم ۷۷)۔ ازل میں ”تمن (خودی) برہمن (وجود مطلق) میں کھوئی ہوئی تھی جو مہا کھ، مہا آئند ہے۔ وہ مکمل سکوت کا عالم (شونہ) تھا لیکن جب آتمن برہمن سے الگ ہو کر سفار میں نیچے اترنے لگی تو اس سفر میں اس کی شخصیت یا طاقت کم ہوتی گئی جس کی وجہ سے ایک آواز پیدا ہوئی اور اس آواز کو دیدانت اور یوگ میں شہد (لفظ = نام = کل۔ Logos) کہتے ہیں۔ نیچے اترتے ہوئے آتمن (خودی) نے طرح طرح کے رنگ اور شکلیں اختیار کرنا شروع کیں اور سفار میں آکر مانس (ذہن) اور مایا (مادہ) بن گئیں۔ باوجود اس کے کہ وہ کثیف ہو چکی ہے، اس نے ابھی تک حشوق اور پریم کے پیغام کو قبول کرنے کی صلاحیت پوری طرح نہیں کھوئی ہے۔ اس لیے دو برہمن کی طرح گروہ کی رہنمائی میں دوبارہ رجوع کر سکتی ہے اس طرح وہ بلندی کی طرف سفر شروع کرتی ہے۔ اس کو اپنی کھوئی ہوئی طاقت اور شخصیت دوبارہ ملتی جاتی ہے۔ اس پاترا میں اسے وہی آواز جسے شہد کہتے ہیں، پھر ملتی، جی ہے اور اس نغمے پر وہ بڑھتی چلی جاتی ہے۔ رفتار کی تیزی کے ساتھ ساتھ غرہ بھی بلند ہوتا جاتا ہے۔ یہ خود روتا کا نغمہ ہے جسے یوگی ”انابھت نا“ کہتے ہیں اور صوفی ”صوتِ سرمدی“ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ (ماخوذ از بانگے بہاری، ”میرا بائی“، مطبوعہ بھارتیہ ودیا بھون، ممبئی)۔ ”جو آواز ہیردنی کانوں سے سنی جاتی ہے وہ دو چیزوں کے ٹکراؤ سے پیدا ہوتی ہے لیکن برہمن کی آواز نہایت شہد ہے یعنی وہ آواز یا شہد جو دو چیزوں کے ٹکراؤ کے بغیر پیدا ہوا۔ یہ آواز ”اوم“ ہے (ہائن رٹس زمر)۔ میرا بائی نے شہد کو ”نام“ بھی کہا ہے اور کبیر کے

یہاں بھی، جو انابت ناد کو "انہد" کہہ دیتے ہیں، نام کا لفظ کبھی کبھی ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ کبیر کے "انہد" میں ایک لطف یہ بھی ہے کہ اگر اس کو "ان حد" لکھا جائے تو اس کے معنی الامجدہ اور بے کراں ہو جائیں گے۔ ("حد حد سب کہیں، ان حد کہے نہ ہوئے" ان حد کے میدان میں سکھ سے کبیر اسوئے")

قاری نے عظیم صوفی شاعر مولانا جلال الدین رومی (۱۲۰۷ء تا ۱۲۷۳ء) کی مثنوی کی ابتدا میں بھی، جہاں بانسری کو روت کے استعارے کی طرح استعمال کیا گیا ہے، اس تصور کی جھلک ملتی ہے:

بشنو از نے چو حکایت می کند      از جدائی با شکایت می کند  
کز نیستن تا مرا بہ پیدہ اند      از نفیہ مراد زن نالیدہ اند  
سینہ خواہم شردہ شردہ از فراق      تا بگویم شرح درد اشتیاق  
ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش      باز جوید روزگار وصل خویش

(ترجمہ بانسری سے سنو وہ کیسی (دردناک) کہانی سن رہی ہے اور (کس اندر سے) اپنے بھر و فراق کی شکایت کر رہی ہے۔ (وہ کہہ رہی ہے) جب سے مجھے نیبتاں سے کاٹ کر الگ کیا گیا ہے، میری آواز سن کر مردوروں روانے لگتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ سینہ رنجی ہو جائے تاکہ میں درد و اشتیاق کا حال بتی کھول کر سنا سکوں۔ ظاہر ہے کہ جو کوئی اپنی اصل سے دور ہو جاتا ہے، وہ پھر وصل کی تلاش کرنے لگتا ہے۔)

بانسری آتمن (حوائی)، نیستن برہمن (وجود مطلق)



(۱۱)

بس دن کھلت رہی سکھیں سگ  
سود بڑا ڈر لاگے  
سورے صاحب کی اونچی اٹریا  
چڑھت میں جیرا کانپے  
جو شکوہ ہے تو لجاتا گئے  
ہیاسے ہل ہل لاگے  
گھونگھٹ کھول انگ بھر بیٹھے  
نین آرئی ساچے  
کہیں کبیر سنو سکھیں موری  
یریم ہوئے سو جانے  
بیچ ہریتم کی آس نہیں ہے  
نابلک کاھر پارے

✽

ترجمہ:

میں تو دن رات اپنی سکھیوں کے ساتھ کھیلتی تھی اور اب مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ میرے

صاحب کی نگاری اونچی ہے اور اس پر چڑھتے ہوئے جی کا پتا ہے۔ (لیکن عشق کا تقاضا کچھ اور ہی ہے) اصل کی لذت کے لیے شرم اور حجاب کو چھوڑنا ہی پڑے گا۔ میں اپنے محبوب (پرہیزگار) سے مکمل مل جاؤں گی۔ ٹھوٹھٹ نہو جائے گا، جسم ہم آغوش ہو جائے گا اور آنکھیں آرتی اتاریں گی۔ سنو میری سکھی، کبیر کہتے ہیں کہ جس نے عشق کیا ہو وہی سب کی لذت کو جانے، جیسے اپنے پرہیزگار سے ملنے کی آس ہی نہ ہو وہ کاجل پار کے کیا کرے گی۔ (کاجل پھرنا ظاہری رسوم ہیں، اصل حقیقت وصال ہے۔)

حاشیہ:

سنت اور جنت کو جن سے بھٹکتی تھ جوش میں اپ آپ کو دہن اور ذات مطلق کو دہلھا  
ی تشبیہ سے یہ کیا ہے۔ یہ تشبیہ صوفیوں کے یہاں بھی مشترک ہے۔ ”لا و باء  
عہ سے لا و باء ی بحر سے لا سحانہ“ فنی جو اولیہ ہیں وہ اللہ کی دہنیں ہیں  
اور الہیوں وصف فخر ہی اکیچہ سکتے ہیں۔ ”عزنا عادلہ ابن رومی نے اپنی مثنوی میں  
یہ تشبیہ استعمال کی ہے۔ ہمدستان میں فقیہوں اور درویشوں کی ایک قسم ”سدا سہا گن“  
نام سے مشہور ہے۔ کہہ نے اپنی ایک علم میں خدا کو ”ابنا سی دہلھا“ (لا فانی دہلھا)  
کہہ کر مخاطب کیا ہے۔

یہ کب مٹا دیتے کہ جھٹکتی اور مسوئی فکر میں یہ استعارہ کہاں سے آیا اور کب سے  
رہا ہے، لیکن یہ ان خیال ہے کہ اس کے ذائقے زرخیز جھٹکتی سے جاملتے ہیں۔ کرشن  
مہا فوٹو گراف اور یہی نہیں ہیں، بلکہ پرہیزگار ہیں جن میں جا کر مل جانے کے لیے تمام  
انفرادی رجحانیں، دنیاوی آتمیں، بے قرار ہیں، اور یہ بے قرار رجحانیں عشق کی زبان میں  
گویاں ہیں جن کی تعداد کروڑوں بھائی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ بند راہن میں کروڑوں  
گویاں نہیں ہو سکتی تھیں، اس لیے یہ راہیں (آتمیں) ہیں جو اپنی نجات اور آزادی  
کے لیے اپنے شوہروں اور بیٹوں کو چھوڑ کر (یعنی، دنیاوی تعلقات کو توڑ کر) پانسری کی

آواز (اٹھت ناو = صوتِ سرمدی) پر کڑن سے جاتی ہیں۔ یہ عشق و رمان ہے اور اس کا مفہوم روحانی ہے۔ اس کہانی کا مفہوم بھی روحانی ہے جس میں عشق نے جہنم میں نہاتی ہوئی گویوں کے کپڑے چھائیے دیا پھائیے ہیں۔ عاشق و محبوب سے سامنے شرم و حجاب ہے معنی ہیں۔ وہاں تو "میں" (ابکار = خود) باقی ہی کتب رہتا۔ اسی لیے صوفیوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ کی باتوں کو صرف خرم (متر = موت - امید ہمارے دے) دیکھ سکتا ہے، اور یہ بھی کہتے ہیں

خوشنہ چہ تو کجا تیا ہے، چاہے مل مل کے  
مکھوتہ منہ مول ایک بھر بھیٹے، نہیں آرتی رہے

### بُنا کرو نراتن بات

کون دیس سے آیا بسا، اُنرنا کون گھاٹ  
 کھن بسا سیرام کیا ہے، کھن لگائے اُس  
 اب سس بسا جیت سیرا، چلو ہمارے ساتھ  
 سے سولت وہاں نئی وہاں، سس کال کے تر اس  
 ہاں مدد سے پھول رہے ہیں، اُوے سو ہم پاس  
 میں پھورا حبوں اُرحو رہے ہیں، سکو کی ۔ ایلا میں

\*

### ترجمہ:

اے بس، اپنی پرانی کہانی سن ڈ۔ تم کس دیس سے آئے ہو اے بس اور کس گھاٹ اترو  
 گئے؟ تم کہاں آرام کرو گے اے بس، اور تمہیں کس کی تلاش ہے؟ اب بھی چیت جاؤ،  
 ابھی سو رہا ہے۔ اے بس، آؤ ہمارے ساتھ چلو۔ ایک ایسی جگہ جہاں غموں کا نام نہیں،  
 شک اور کھ کا نشان نہیں، موت کا خوف نہیں۔ وہاں مدد بن پھول رہا ہے (عشق کی  
 بہار پھائی ہوئی ہے) اور انا الحق کی سبانی خوشبو پھیلی ہوئی ہے۔ من کا بھوزامستی میں  
 گونج رہا ہے۔ اس کے بعد کسی اور سکھ کی آرزو نہیں ہے۔

حاشیہ:

ہنس پاکیزگی اور زندگی کے اصلی جوہر کا استعارہ ہے۔ کبیر نے روح (آتمن) کے معنوں میں بھی استعمال کیا ہے۔ سنسکرت اور ہندی کا آخری حرف ساکن نہیں بلکہ متحرک ہوتا ہے اس لیے ہنس = ہنس (ہنسا) لیکن یورپی زبان میں "وا" اور "آ" کا اضافہ آوار دینے کے لیے یا پیار ظاہر کرتے کے لیے بھی کیا جاتا ہے۔ اس لیے کبیر نے "ہنس" کہا ہے۔

ہندو تصنیات (Iconography) میں عام طور سے جنگلی ہنس برہما سے وابستہ ہے۔ اندر کی سواری (داہن) بائیں ہے، شو کی سواری ندی (نیل)۔ اسی طرح برہما کی سواری ہنس ہے۔ ہائی کنرٹش نمر کی تشریح کے مطابق ہر داہن الوہی ہستی کی حیوانی ہیئت (نمبور) ہے۔ یہ بے دغ روحانیت کے ذریعے سے حاصل کی ہوئی مکمل ترین آزادی کا نشان (Symbol) ہے۔ اسی لیے ہندو جوگی یا سنت جب بار بار پیدا ہونے کے چکر سے آزاد ہو جاتا ہے تو ہنس کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ اسے "پرہنس" کہتے ہیں۔

ہر وجود میں مزاج کی دو متضاد کیفیتیں ہوتی ہیں اور ہنس کی زندگی اس دونوں کیفیتوں کی ترجمان ہے۔ وہ پانی پر حیرنے کے باوجود پانی کی فطرت میں اسیر نہیں ہے۔ پانی کی سطح کو چھوڑ کر وہ صاف و شفاف فضا میں بلند ہو سکتا ہے اور فضا میں موسموں کے اعتبار سے دو شمال اور جنوب جدھر چاہے جاسکتا ہے۔ وہ جہانیاں جہاں گشت ہے، خانہ بدوش آوارہ گرد جو زمین کی تاریک پستیوں سے بے کرفضا کی نورانی بلندیوں تک ہر جگہ یکساں اطمینان اور بے پروائی سے گزر سکتا ہے۔ اس لیے ہنس اس الوہی جوہر (Essence) کی ملامت ہے جو ہستی کے تنگیوں میں اسیر ہو کر بھی ان سے آزاد رہتا ہے۔ محدود اور لامحدود، فانی اور لافانی، حاکی اور نورانی، متغیر اور

غیر تغیر پذیر، سب کے ساتھ اور کسی کے ساتھ نہیں۔

یہ الٰہی خودی (آتمن) کائنات (Cosmos) اور آفاق (Universe) کے جسم کے در ایک نئے کی طرف تیرتی ہے، ہر سنت اور جوگی اپنے سانس کے زیرِ دم میں بھی نفہ سنتا ہے اور مست ہو جاتا ہے۔ ہر اندر جاتی ہوئی سانس "ہم ن" ہے (م = ن) اور ہر باہر آتی ہوئی سانس "س - ن" ہے۔ اور ہر ہونے والا جوگی متواتر اور مسلسل "ہم ن - س" "ہم ن - س" (ہم ن - س) سنتا رہتا ہے اور اپنے وجود کی الٰہی اصلیت کو پہچاننے لگتا ہے۔

اس اندرونی جنس کے گیت میں ایک راز اور بھی ہے۔ وہ "ہم ن - س" "ہم ن - س" (س - ہم ن) کے ساتھ ساتھ یہ بھی سنتا ہے "س - ہم ن" "س - ہم ن" (س - ہم ن = س) اور اس کا مضرب ہے "وہ میں ہوں۔ جو وہ ہے وہی میں ہوں،" "میں میں آتمن (الٰہی خودی) ہوں، میں وجود مطلق ہوں۔ انا الحق۔ سو ہم باس = انا الحق کی خوشبو، سو اہم = س - ہم ن - جو وہ ہے وہ میں ہوں، ہر ہم کے ساتھ جیو کی اہمیتا۔ کل کے ساتھ جزو کا اصل اتحاد۔ اس لیے میں نے منصور کی رویت سے سو ہم کا ترجمہ انا الحق کیا ہے۔ دوسری جگہ کہیے۔ "س کو سوہم" لکھا ہے۔ نئے کی مہابت سے "ہمیت کی سوہم" "حق انا الحق کا سازج رہا ہے۔

ہم ن = کام دیو = عشق کا دیوتا۔

(۱۳)

اں گڑھا دیوا، کون کرے تیری سیوا  
 گڑھے دیو کو سب کوئی بوجھے، تب ہی لاوے سیوا  
 ہورن برہم اکھنڈت سوامی تا کو نہ جائے بھیا  
 دس اوتار نرنجن کہیے سوا اپنا نا ہوئی  
 یہ نواپی کری بھوگیں، کرب اور ہی کوئی  
 حوگی حنی نی سبسی، آپ آپ میں لڑباں  
 کہیں کبر سو بیہنی سادھو، راگ کھیے سونرباں  
 ❦

ترجمہ:

اں گڑھا دیوتا، تجھے مورتی کا روپ نہیں دیا جاسکتا، تیری سیوا کون کرے گا۔ ہر ایک  
 اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے دیوتا کو پوجتا اور اس کی خدمت کرتا ہے۔ مگر وہ جو مکمل  
 ہے، جو برہم ہے، جو ناقابل تقسیم ہے، اس کا نام کوئی نہیں لیتا۔ یہ لوگ دس اوتاروں کو  
 مانتے ہیں جو من سے گڑھے گئے ہیں لیکن کوئی اوتار وجود مطلق نہیں ہے۔ یہ تو اپنی اپنی  
 کرنی بھوگ رہے ہیں، کرنے والا تو اور ہی کوئی ہے۔ جوگی، تپووی اور شنیاسی آپس  
 میں لڑ رہے ہیں۔ سنو بھائی سادھو، کبر کہتے ہیں کہ جس نے پریم (راگ = رام) کو

دیکھا ہے اسی کی نجات ہے۔

حاشیہ:

ایک ان دیکھے خداے واحد کا تصور بہت قدیم ہے۔ اگر ایک طرف آپشن کی تعلیمات میں، جو کئی صدی قبل مسیح سے شروع ہو جاتی ہیں، یہ تصور موجود ہے تو دوسری طرف عبرانی پیغمبروں نے اس کی تبلیغ کی ہے۔ اس تصور نے زمانہ قدیم میں انسانی گردہوں کو قبائلی دیوتاؤں کے تصور سے آزاد کر کے وسیع تر انسانی وحدت کی بنیاد ڈالی۔ اسلام کی ساری بنیاد ایک خداے واحد کی عبادت پر قائم ہے جو ءالہ الا اللہ کے چار منقولات میں سمائی ہے۔ (قلندر بزد و حرف لا الہ کچھ بھی نہیں رکھتا، فقیہ شہر قاروں ہے نفع مائے تیری کا اقبال)۔ اقبال نے اپنی مشہور نظم ”شکوہ“ میں ایک بند کہا ہے جو کبیر کی نظم کے خیال سے بہت قریب آ جاتا ہے

ہم سے پہلے تھا جب تیرے جہاں کا منظر  
کہیں مہرود تھے پتھر، کہیں مہرود شجر  
خوگر چکر عسوں تھی انساں کی نظر  
مانتا پھر کوئی ان دیکھے خدا کو کیوں کر  
تجھ کو معلوم ہے لیتا تھا کوئی نام ترا  
است احب مرسل نے کیا کام ترا



(۱۴)

درباؤ کی لہر درباؤ سے جی  
 درباؤ اور لہر میں بہن گویم  
 اُنھے تو نیر سے بیٹھے تو نیر سے  
 کہو جو دوسرا کس طرح ہویم  
 اسی کا پھیر کے نام لہر دھرا  
 لہر کے کہے کیا نیر کہویم  
 جکت ہی پھیر جب جکت پر برہمہ مس  
 گیان کر دیکھ مال گویم

\*

ترجمہ:

دریا کی موج بھی دریا ہے۔ دریا اور موج میں کوئی فرق نہیں۔ لہر اُٹھے تو بھی پانی ہے،  
 بیٹھے تو بھی پانی ہے۔ پھر یہ بتاؤ کہ مجھ کہاں ہے؟ پانی کا نام بدل کر لہر رکھ دیا تو کیا  
 پانی کھو گیا؟ دل کی آنکھیں ہوں تو دیکھو کہ برہم کے وجود میں ایک دنیا کے بعد دوسری  
 دنیا اس طرح چل رہی ہے جیسے چپ مالا (شیج) کے دانے چل رہے ہوں۔

حاشیہ:

اصلِ تجمود و شائبہ و مشبہد ایک ہے  
حیراں ہوں پھر مشاہد ہے کس حساب میں  
ہے مشتمل نمود نمود پر وجود بحر  
یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حباب میں



(۱۵)

جہاں کھیلٹ ہسنت وِٹ راج  
 جہاں اسید پا جا بھے باج  
 جہوں دس جوٹ کی بھرے دھار  
 ہر لاجن کوئی اترے ہار  
 کوئی کرشن جہاں جوڑی ہانہ  
 کوئی وشنو جہاں ناویں ماتہ  
 کوئی برہما پڑھیں پُران  
 کوئی مسہیش دھریں جہاں دھیان  
 کوئی سرسوتی جہاں دھرے راگ  
 کوئی اندر جہاں گنگن لاگ  
 سرگندھرو مٹی گئے نہ جانیں  
 جہاں صاحب پر گئے آئے آئے  
 چوہا چندن اور انبیر  
 بھبھ واس رہیو گسپیر

## ترجمہ:

جس ہنسنت یعنی زت کار چا کھیل رہا ہے، جہاں اندیت کا ساز بج رہا ہے، چاروں طرف نور کی ندیوں بہہ رہی ہیں، بہت کم لوگ اس کے پار اتر سکتے ہیں۔ جہاں کروڑوں کرشن ہاتھ جوڑے کھڑے ہیں، کروڑوں دشمنو جگہ سے میں محو ہیں، کروڑوں برہمانہ پن پناہ رہے ہیں، کروڑوں میٹھ میٹھ میں گم ہیں، کروڑوں سرسوتیاں دینا بجانے میں مصروف ہیں، کروڑوں اندر آسمانوں میں پھیلے ہوئے ہیں، دیوتا گندھرو (ناپنے والے) ورتن ان نکتے ہیں، وہاں میرے صاحب نے اپنے آپ کو بے نقاب کیا ہے اور کائنات صندل، جیر اور پھولوں کی خوشبو میں ہی ہوئی ہے۔

## حاشیہ:

ست لوک (۷ مہات) کا بیان ہے یعنی جو کچھ برہماند (کائنات) میں ہے وہی پنڈ (ہنس) میں ہے۔ آرمی خواہی اپنے گھٹ (وجود) کے اندر یہ سب کچھ دیکھ سکتا ہے۔  
 رشن مندوستانی دیوتا، اسے سب سے مقبول میرا اور ہندوؤں کے سب سے زیادہ محبوب دیوتا میں درشنو کا آئینا اوتار سمجھے جاتے ہیں۔ ان کی ہر دھڑلہ زری کا یہ خاصہ ہے کہ وہ فی اور اتر پیدائش کے مسکن گھڑانوں میں جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو گیت رشن میں سے نکلتے جاتے ہیں۔ مثلاً "اٹھیلی چہ (رچہ) مان کرے مندال سے/ سہاگن چہ مان کرے مند۔ اس سے" یا "اٹیے نے مجھے اور دیا سنا تو لیا نے مجھے درد دیا" مندال اور سنا تو لیا دونوں سے مراد کرشن جی ہیں۔ (سند کے لیے دیکھیے "رہوم بانی" رومانی سید احمد دہوی)۔ (تیسرے سند کے بعد یہ گیت پاکستان بھی پہنچ گئے ہیں۔ رشن بھگتی کے گیت اور تمہیں اردو کے بہت سے شاعروں کے یہاں ملتے ہیں جن میں اسماعیلین نام لکھے آبر آئی (نہار جویں صدی) اور صلاح حسرت موہانی (بیسویں صدی) کے ہیں۔

کرشن کا نام سب سے پہلے رگ وید میں آتا ہے۔ لیکن وہ کرشن جن کے گرد  
 بھگتی کی شاعری اور فلسفے کا ہالہ ہے، سب سے پہلے چھاند یوگ آپشد میں ظاہر ہوئے  
 ہیں اور وہاں وہ دیو کی کے بیٹے ہیں۔ پھر ان کا ذکر ”مہا بھارت“ میں آتا ہے اور ان کا  
 وہی نغمہ ”بھگوا گیتا“ ہے جو اپنی شاعری، فلسفے اور روحانیت کے اعتبار سے اپنا جواب  
 نہیں رکھتا۔ یہ نغمہ صدیوں سے ہندوستان میں مقبول ہے اور یورپ اور امریکہ کے  
 دانشوروں اور شاعروں نے بھی اس سے اثر قبول کیا ہے۔ عالموں کا خیال یہ ہے کہ  
 ”بھگوا گیتا“ مہا بھارت سے جدید تحقیق ہے لیکن اب وہ مہا بھارت کا حصہ ہے۔  
 پرانوں میں اور خاص طور سے ”بھگوت پراٹھ“ میں کرشن جی کی زندگی کی جو تصویلات  
 ہیں وہی سب عوام کے ذہن میں افسانہ بن گئی ہیں جس کی بنیاد پر صدیوں سے ہزاروں  
 اور لاکھوں گیت اور تصویریں بنائی جا رہی ہیں جن کا شمار ہندوستانی آرٹ کے  
 شاہکاروں میں ہوتا ہے۔ ”بھگوت پراٹھ“ کی کہانیاں ہندی میں ”پریم ساگر“ کے نام  
 سے ترجمہ ہو کر مقبول ہو چکی ہیں۔ ہندی نے وہ بہت بڑے شاعروں، میرا پائی اور  
 سورا اس کی عظمت کا، اردو، اردو کرشن بھگتی کی شاعری پر ہے۔

کرشن جی یا دوتل سے تھے اور یہ قیدیہ پنن۔ مارے بندراہن اور گول میں  
 گلے بانی کرتا تھا۔ اس زمانے میں مہتمم اور بندراہن میں سنس کی حکومت تھی۔

کرشن جی کی پیدائش کا افسانہ اپنی تصویلات کے بعض اوقات کے ساتھ  
 یہودیوں، عیسائیوں، مسلمانوں کے ایک عظیم پیغمبر حضرت موسیٰ کی پیدائش کے  
 افسانے سے بہت ملتا جلتا ہے۔

کرشن جی کی ماں دیو کی رہنے لگی تھیں اور تارڈی نے یہ پیش گوئی کی  
 تھی کہ دیو کی کا بیٹا کنس کی ظالم حکومت کا خاتمہ کر دے گا۔ اس خطرے سے بچنے کے  
 لیے کنس نے دیو کی کو اپنے محل میں قید کر لیا اور ان کی دیکھ سے پیدا ہونے والے چھ  
 بیٹوں کو قتل کر دیا۔ جب ساتویں بار حمل قرار پایا تو وہ، شنو کا، تارڈی اور وہ دیو کی کے

حضرت مہدی کے اہل بیت میں جس کی جگہ معمر کا بادشاہ فرعون ہے جس نے اپنی بیوی اور بہنوں سے چھٹے کے لیے بیویاں سے پیدا کئے گئے بیٹوں کے قتل کا حکم دیا تھا۔ اسے حضرت مہدی علیہ السلام نے قتل کیا تھا۔ یہاں سے بعد اگلے آریہ کے حکم میں ہالہ اور ہالہ کی بیوی نے اس شخص کو قتل کیا اور حضرت

موسیٰ کی پرورش فرعون کے محل میں ہوئی۔ حضرت موسیٰ کی زندگی میں بھی ایک جنگ ہے جس کا خاتمہ اس طرح ہوتا ہے کہ وہ اپنی قوم کو لے کر دریائے نیل پر آتے ہیں، دریا کا پانی دونوں طرف بہت جاتا ہے اور دریاؤں میں راستہ بن جاتا ہے جس سے حضرت موسیٰ اپنی قوم کو لے کر گزر جاتے ہیں، لیکن جب فرعون اپنے لشکر کے ساتھ اس راستے سے گزرنے کی کوشش کرتا ہے تو دونوں طرف سے پانی کے دھارے آ کر مل جاتے ہیں اور فرعون اپنے لشکر سمیت دریائے نیل میں غرق ہو جاتا ہے۔

دشمنو بندہ ٹیکٹ (تری مورتی) نے دوم سے دیوتا کا نام۔ رگ وید میں دشمنو کا شمار اول درجے کے دیوتاؤں میں نہیں ہوتا۔ وہ شمسی طاقت (Solar Energy) کا مظہر ہیں۔ کائنات کے تین قدموں کے نیچے ہے اور ان کے نور کے عباد سے بھی ہوئی ہے۔ تین قدموں سے مراد ہے روشنی یعنی آگ، بجلی اور سورج۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد سورج کا طلوع ہونا، نصف النہر پر پہنچنا اور غروب ہونا ہے۔ دشمنو کی خصوصیت دنیا کی حفاظت اور رکھوالی ہے۔

برہمنوں کی نامی مورتی کے تینوں میں، جن میں ویدک رسوم بیان کیے گئے ہیں اور جو "براہمن" کے نام سے مشہور ہیں، دشمنو کی صفات سے متعلق کر دیا گیا ہے اور ان کا درجہ بہت بلند ہو گیا ہے۔ مہابھارت اور پرانوں میں وہ بندہ ٹیکٹ کے دوسرے دیوتا ہیں اور سنگھن یعنی رحم اور کرم کا مظہر ہیں اور اس لیے، ان کے راجہ شک ہیں۔ یہ وہ دیوتا ہے جو کائنات میں جاری و ساری ہے۔ اس لیے ان کو رلی اور ابدی پانی کے عصر سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ ان شکل میں دشمنو کا نام "رین" ہے یعنی پانی میں حرکت کرنے والا۔ تصویروں میں، انھیں شیش ٹائپ پر مینا ہوا دکھایا جاتا ہے جو اڑن اور ابدی پانی (اصوب ال) میں تیر رہا ہے۔ یہ اس وقت کا منظر ہے جب کائنات اپنی زندگی کا ایک چہرہ پورا کر کے غارت ہو جاتی ہے اور زندگی کا نیا چہرہ شروع کرنے والی ہوتی ہے۔

دشنو کے بیماری ان کو سب سے بڑا دیکھاتا ہے جن سے تمام اشیاء ہر ہوئی ہیں۔ مہا بھارت اور پرانوں میں وہ پر جاتی (خلاق کائنات) ہیں اور ان کا ظہور تین حالتوں (استھان) میں ہوتا ہے۔ (۱) خلاق کائنات جوازل اور ابدی پانی پر تیرتے ہوئے موحواب و شوقی ناف سے نکلے والے کول کے پھول سے پیدا ہوئے ہیں۔ (۲) دشنو خود جو اپنے اوتاروں مثلاً رام اور کرشن کی مکمل اختیار کرتے ہیں اور اس طرح دنیا کی حفاظت اور رکھٹ کرتے ہیں۔ (۳) شیا زیادہ یا مہیش جو تاجی اور برہادی کی طاقت ہیں۔

دشنو کے اوتاروں کی تعداد صرف دس ہے، لیکن بھگوت پند ان میں بائیس بیوں کی گنی ہے اور پھر ان گنت اوتاروں کا بھی ذکر آیا ہے۔ سب سے زیادہ مقبول ساتویں اوتار رام اور آٹھویں اوتار کرشن ہیں، اور ان دونوں میں بھی کرشن کو دشنو کا مکمل ترین مظہر سمجھا جاتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ مقدس گکا دشنو کے قدموں (چرنوں) سے نکلی ہے۔ دشنو دنیا کے رکھوے کی حیثیت سے بہت مقبول ہوتا ہے اور ان کی پوجا مسرت کے جذبے کے ساتھ کی جاتی ہے۔ ان کے ہزار نام ہیں اور ان ناموں کا منہ مرگ سمجھا جاتا ہے۔ ان کی سواری (وہن) عقاب ہے، ان کا رنگ کھراٹلا ہے اور چار ہاتھ ہیں۔ ایک میں سنگھ، دوسرے میں چتر (ہتھیار) تیسرے میں گدا (گرر) اور چوتھے میں کول کا پھول ہے۔ ان کے پاس ایک تھان اور ایک توار بھی ہے۔ ان کی بیوی مکشی (دولت کی بیوی) ہیں جن کے ساتھ دو کول کے پھول پر بیٹھے یا کول کے پتے پر تیرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ (دشوری آف ہندوئی تھا دینی، انگریزی، جان ڈاکسن)۔

برہما ہندو متھیٹ (تری سورتی) کے پہلے دیوتا کا نام جنھیں جگدیشور، ات پاک (پیدا کرنے والا)، پر جاتی اور دھاتا کے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔



رامائن کے بیان کے مطابق پہلے صرف پانی تھا جس سے زمین کی تھکیں ہوئی۔ اس پانی سے برہما ظاہر ہوئے جسوں نے نوکر کا حیوانی قالب اختیار کر کے زمین کو اوپر اٹھایا اور اپنے بیٹوں، رشیوں اور مٹیوں کے ساتھ ساری دنیا کی تخلیق کی۔ مہا بھارت کے بیان کے مطابق برہما دشنو کی ناف سے پیدا ہوئے جہاں سے ایک کنول کا پھول باہر نکلا۔ (دیکھیے سہس کنول نمبر ۴) اس لیے ان کا نام تا بھی جا اور سروجن بھی ہے وہ اپنی برکتوں سے دیوتاؤں اور ان کے دشمنوں دونوں کو نوازتے ہیں۔ شو دھرم میں برہما کا خالق مہادیو یا زور (شو) کو مانا جاتا ہے اس لیے برہما شونگ کی پوجا کرتے ہوئے مانے جاتے ہیں۔

جب برہما دنیا کی تخلیق کرتے ہیں تو دوسرے ایک دن زندہ رہتی ہے اور برہما کا ایک دن دو ارب سولہ کروڑ سال کے برابر ہوتا ہے۔ اس طویل طویل دن کے خاتمے پر دنیا آگ سے تباہ ہو جاتی ہے لیکن رشی، مٹی، دیوتا اور مہا بھارتی بن جاتے ہیں۔ پھر برہما دوبارہ دنیا کی تخلیق کرتے ہیں اور تباہی اور تخریب نو کا یہ عمل برہما کی عمر کے سو سال تک جاری رہتا ہے (چونکہ برہما کا ایک دن دو ارب سولہ کروڑ سال کے برابر ہوتا ہے اس لیے اس کو پہلے تین سو پینسٹھ سے ضرب دے کر پھر اصل شدہ عدد کو سو سے ضرب دیجیے تو برہما کی عمر کے سو سال کی مدت کا اندازہ ہوگا۔) سو سال کے بعد برہما بھی ختم ہو جاتے ہیں، سارے دیوتا، رشی، مٹی، بھی ختم ہو جاتے ہیں اور کائنات اپنے عناصر کی شکل میں منتشر ہو جاتی ہے۔ (ہندو تصنیفات کی لغت، انگریزی جان ڈاؤسن)۔

وقت کا یہ چکر ہندو تصور ہے جو اسلامی تصور وقت سے مختلف ہے۔ لیکن عجیب اتفاق ہے کہ اس سے ملتا جلتا تصور غالب کے یہاں موجود ہے۔ انھوں نے اپنی فارسی تصنیف ”مہر نیم روز“ میں لکھا ہے کہ صفات تین ذات ہیں اور پر تو آفتاب سے جدا نہیں۔ قیامت کے بعد نیا آدم پیدا ہوگا اور ایک آدم کے بعد دوسرا آدم ظہور کرے گا۔ (دیکھیے دیباچہ دیوان غالب مطبوعہ ہندوستانی بک ٹرسٹ، بمبئی)۔

میش (ش = شگ، پانی، نیا کو تیار کرنے والا) مندو مشسٹ (تری مورتی) کے تیسرے دیوتا کا نام۔

ش کا نام ویدوں میں نہیں ملتا۔ لیکن اس کا دوسرا، سرور رگ وید میں اگنی کے لیے استعمال ہوئے ویدوں کے رد کرنے ترقی کر کے نیک عرصے میں حاکم ش کی شکل اختیار کر لی۔ حالانکہ ش تپا ہی اور برہادی کے دیوتا ہیں لیکن اس کی طاقتیں دروغت میں زیادہ ہیں۔ زور کی حیثیت سے وہ مہا کاں (وقت) ہیں جو انجھو، تپا ہی اور موت، ہے۔ لیکن ہندو عقیدے میں تریب دیوتا کا پیش خیمہ ہے اس لیے شو اور شکر کی حیثیت سے یہ مقدس دیوتا قیام اور تحقیق نو کی طاقت بن کر ظاہر ہوتے ہیں جن کی بدست ہ موت سے بعد زندگی، ہ تریب نے بعد قیام کا مسلسل عمل جاری رہتا ہے، اس لیے وہ ایشور درمہا دیو ہیں۔ اس کی تہذیب حیات کی طاقت کا اظہار لگ کی طاقت سے کیا جاتا ہے اور اس سے شو کی چوبیاد تہا لگ کی شکل میں کی جاتی ہے یا بھی بھی لگ کے ساتھ یونی کی بھی پرستش ہوتی ہے، جون کی شتی یا سوانی طاقت کی طاقت سے۔ شو شتی کے قدریم فلسفے کے اعتبار سے سوانی طاقت کے بغیر شو یعنی مرد و جسم ہے۔ جب اس میں شتی شامل ہوتی ہے تو وہ شو بن کر جاگ اٹھتا ہے۔ (ہندو متالی تہذیب کے معرعوں اور ناموں کا خیال سے کہ لگ چوبیاد قیام آریوں کی آمد سے پہلے ہندوستان میں موجود تھی جس پر مڑپا کے کھنڈروں سے نکلنے والے لگ کے نمونے شاہد ہیں۔ ہندو دھرم میں لگ چوبیاد پہلی صدی عیسوی کے آس پاس شل ن کی۔) مہا کاں اور مہادی نے ملا وہ اس کی تیسری شکل ایک دھیان میں کھوئے ہوئے مہادی کی سندہ اپنی قیاس سے بے پناہ طاقت حاصل کر رہا ہے، معجزے دکھاتا ہے اور عظیم روئے کائنات سے مل کر ایک ہو جاتا ہے۔ اس کردار میں دو ایک ننگا دیگی سے جسے "کمر" کہتے ہیں اور جس کا لباس منہ سر کے سوا کچھ نہیں۔ وہ اھر جتی ہیں جن کے پاں اٹھتے ہوئے ہیں اور جسم پر جھموت ملا ہوا ہے۔ اپنے پہلے کردار یعنی

تخریبی طاقت کے اعتبار سے وہ نہیرو ہیں جو تخریب اور تباہی سے لذت حاصل کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ وہ بھوتیشور بھی ہیں اور بھوت پریت پر حکومت کرتے ہیں۔ وہ اپنے سر کے گرد سانپ لپیٹ کر اور گردن میں انسانی کھوپڑیوں کی ماہکین کر اپنے بھوت پریت کے شکروں کے ساتھ شمشادوں کی سیر کرتے ہیں اور مستی کے عالم میں وہ تخریبی رقص کرتے ہیں جسے تانڈو کہتے ہیں۔

شو سکون اور مکمل خاموشی (شبیہ) کے بھی دیوتا ہیں اور رقص کے دیوتا (نٹ راج) بھی۔ تامل ناڈو میں نٹ راج کی پرستش ہوتی ہے اور بنارس میں ویشیشور کی۔ ان کا مقام شمال میں کیا لاش پر بت اور جنوب میں چدم برہم کا مندر ہے جہاں ان کو تاجتہ ہوا دیوتا مانا جاتا ہے۔ شو کی ایجاد ایک سو آٹھ قسم کے رقص ہیں، بعض لطیف اور خوبصورت اور جنس امبیٹی مشرقی اور خوفناک۔ ان میں تانڈو سب سے زیادہ مشہور ہے۔ اس رقص سے دنیا جاو ہو جاتی ہے اور وقت کا ایک پھر پورا ہو جاتا ہے۔

شو کے بھی بنر سے زیادہ نام ہیں جواں کی مختلف صفات کو ظاہر کرتے ہیں۔ شو کا رنگ سلید ہے اور ان کے پانچ سر (پنچ آنن) اور چار ہاتھ ہیں۔ تصویروں میں عام طور سے انھیں بیٹھ ہوا دکھایا جاتا ہے، دھیان میں کھوئے ہوئے۔ ماتھے پر تیسری آنکھ ہے جو اتنی تباہ کار ہے کہ اس سے کام دیج بھسم ہو گئے تھے۔ اس تیسری آنکھ کے اوپر پیشانی نئے چاند سے لگی ہوئی ہے، الجھے ہوئے بالوں کی گانچ سر پر سینک کی طرح دکھائی دیتی ہے جس پر دریائے گنگا کی علامت ہے جس کی آسمان سے گرتی ہوئی دھار کو شو نے اپنے سر پر رک لیا تھا۔ گردن میں کھوپڑیوں کا ہار (منڈما) ہے اور گلے میں سانپ لپٹے ہوئے ہیں (ناگ کنڈل)، اور دنیا تباہ کر دیے والے زہر کو پی لینے کی وجہ سے گردن نیلی ہے، (نیل کسٹھ)، ہاتھوں میں ترشول، ڈمرا، گرا اور ری ہے۔ جسم پر شیر، ہرنا یا ہاتھی کی کھال کا لباس ہے۔ عام طور سے ان کا وہن (سواری) نندی نیل پاس ہی نظر آتا ہے۔ پروفیسر کوکبھی کے بیان کے مطابق ننگے پاؤں کی شہادت پر

یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہندی نسل شوکا باطنی نشانات (Totem) ہے اور پتھر کی تہذیب کے آخری دور (Neolithic Age) سے تقریباً دو ہزار سال پہلے وحشی قبائل میں ہندی نسل کی پرستش کا ثبوت ملتا ہے۔ اس طرح شوکا کردار آریائی اور غیر آریائی قبائل کے اتحاد کی علامت بن جاتا ہے۔ (ماخوذ از ای۔ ڈکشنری آف ہندوستانی تصورات، انگریزی، ڈاکٹرن ۲۰۰۲ء دی ونڈرویت واز انڈیا، انگریزی، ہاشم، ۳۰۔ انٹروڈکشن ٹو دی اسٹڈی آف انڈین ہسٹری۔ انگریزی، دامودر دھرم، تندرہ کومبی)۔

سرسوتی، علم اور فن، شعر اور شاعری کی دیوی۔ ویدوں میں ایک ندی اور ایک دیوی دونوں صورتوں میں ذکر ہے۔ سرسوتی ندی بہت مقدس تھی اور آریوں کے ابتدائی ہندوستانی وطن برہماورت کی ایک سرحد پر بہتی تھی۔ ندی کی دیوی کی حیثیت سے سرسوتی درختی اور پاکیزگی کی طاقت ہے۔ نطق اور بیان (واقی) کی دیوی کی حیثیت سے ویدوں میں ذکر میں ملتا لیکن براہمنوں اور مہابھارت میں وہ نطق اور بیان کی دیوی ہے۔ ہندو مسلمیات میں سرسوتی برہما کی بیوی ہے اور سفکرت ربات اور دیوتاگری حروف کی خالق مانی جاتی ہے۔ رنگ سفید ہے اور اعضاء متناسب، ہاتھ پر نیا چاند ہے اور وہ کنوں سے چھوٹے پر ہنسی یا کھڑی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ (ہندو مسلمیات کی لغت، انگریزی، جان ڈاکسن)۔

اندر آکاش کا دیوتا۔ ویدوں نے ان کا شمار اول درجے کے دیوتاؤں میں کیا ہے لیکن وہ غیر مخلوق نہیں ہیں۔ ماں اور باپ کا ذکر ہے۔ ان کا رنگ سنہرا ہے اور ہاتھ لمبے سے ہیں۔ لیکن وہ اپنی شکلیں بدل سکتے ہیں اور بے شمار روپ اختیار کر سکتے ہیں۔ ان کا دو گھڑوں کا رتھ بری ہے، ہتھیار رکھی ہے جو دبے ہاتھ میں ہے۔ موسم رس انھیں بہت مرغوب ہے جسے وہ بلا نوش رندوں کی طرح پیتے ہیں اور اس سے مست ہو جانے کے بعد دشمنوں سے جنگ کرنے نکلتے ہیں۔ فضا کے دیوتا کی حیثیت سے وہ مہتموں پر حکومت کرتے ہیں اور بارش کا پانی تقسیم کرتے ہیں۔ ویدوں میں ان کی

سوا سب سے زیادہ جس ویوتا کی تعریف ہے وہ اندر ہیں۔ وہ بہت نجی اور فیاض ویوتا ہیں جن کا نام بارش، زرخیزی، بجلی اور طلوع ن سے وابستہ ہے اور وہ قحط اور خشک سالی کے شور کے خلاف مسلسل لڑتے رہتے ہیں۔ داسو اور اشوروں کے ”پتھر کے بے ہوئے شہروں“ کو تباہ کرنے کا سہرا ان کے سر ہے۔ ان کی براہ راست پرستش نہیں کی جاتی لیکن کچھ تہوار ان کے نام سے مخصوص ہیں۔ برنج کی چھانکائیوں میں گوالے ان کی پرستش کرتے تھے لیکن کرشن نے ان سے دل دیتے لیے اور اندر کی پوجا بند ہو گئی۔ اس پر اندر کو بہت غصہ آیا۔ درانھوں نے برنج باسیوں پر بارش کا طوفان نازل کیا۔ لیکن کرشن نے جو دشمنوں کے اوتار تھے کو درجمن پہاڑ کو اپنی ایک انگلی پر اٹھایا اور اسے سات دن تک چھتری کی طرح استعمال کیا۔ آخر اندر کو شکست ہو گئی اور انھوں نے کرشن کے اقتدار کو تسلیم کر لیا۔

۱۔ یہ کہ جس نے اپنے دوزخ میں رہنا چاہا  
 ۲۔ وہ کہ جس نے اپنے جہنم میں رہنا چاہا  
 اور جہنم میں دو چھوٹی باتیں ہاویں آتے  
 ۳۔ وہ کہ جس نے اپنے جہنم میں رہنا چاہا  
 کوئی کلمہ تک بہتیاہ آئے نہ کہہوں بائے  
 ۴۔ وہ کہ جس نے اپنے جہنم میں رہنا چاہا  
 ۵۔ وہ کہ جس نے اپنے جہنم میں رہنا چاہا



### ترجمہ:

۱۔ وہ کہ جس نے اپنے جہنم میں رہنا چاہا  
 ۲۔ وہ کہ جس نے اپنے جہنم میں رہنا چاہا  
 ۳۔ وہ کہ جس نے اپنے جہنم میں رہنا چاہا  
 ۴۔ وہ کہ جس نے اپنے جہنم میں رہنا چاہا  
 ۵۔ وہ کہ جس نے اپنے جہنم میں رہنا چاہا  
 اس تماشے کو داس کیہ دیکھ رہے ہیں۔

حاشیہ:

عالم ناسوت کا بیان ہے۔

چورنی چھڑیو چوراسی لاکھ فرو۔ خلیوں اور بندوں کے عتیدے کے مطابق ایک ذی  
حیات مکتی یا نجات پانے سے پہلے چوراسی کھ بار رنوں کا قوس اختیار کرتا ہے۔  
ایک زندگی کو بونی کہتے ہیں۔

(۱۷)

(۱)

گرہ جدر نین جوت ہوت ہے  
شروت راگ نوت نار ہاھے  
نوبتیا گھرت ہے، دیں دن شق مس  
کسہیں کسیر ہیو گکی گاہے

ۛ

ترجمہ:

دن پودہ اتروں سے پناہ مل رہے ہیں۔ پھر ہاراک ہے اک (بے تعلق)  
سہاگن، سر پہ ہندو، ہاتے۔ قصوں میں راتوں نوبت تی ہے اور یہ  
نئے ہیں رمیہ اور تیرا ناموں میں ملی ن طرین پند رہا ہے۔

(۲)

جیوں اور ہلک کی ارنی کون سی  
ریں دن ارنی وسو گاہے  
گھرت نساں تنہاں گیس کی جہالرا  
گیس کی گیسٹ کا نادر آوے

ۛ



ترجمہ:

وہاں لیے بھرکی اور پل بھرکی آرتی کہاں۔ سارا سنسار رات دن آرتی اُتارتا ہے اور  
گیت گاتا ہے۔ طبل اور نشان بچ رہے ہیں، جھلمل جیوتی کی غیبی جھالر جھلکا رہی ہے،  
غیب کے گھنٹوں کی آواز آرہی ہے۔

(۳)

کسبیں کبیر نہاں رہیں دن آرتی  
جگت کیے نکھٹ ہر جگت سائیں  
کرم اور بھرم سنسار سب کرت سے  
بیو کی ہر کھ کوئی ہرہمی جانے  
شرت اور یرت دھار من میں پکڑ کر  
گنگ اور جمن کیے گھاٹ اُنے  
نیر نورمل نہاں رہیں دن جھرت سے  
جنم اور مرن تب انت ہائی

\*

ترجمہ:

کبیر کہتے ہیں کہ وہاں رات اور دن اپنے چرخوں کو گردش دے رہے ہیں۔ جگت کے  
تخت پر جگت کا مالک بیٹھ ہوا ہے۔ سارا سنسار کرم اور بھرم (کام اور غلطی) میں جتا  
ہے۔ ایسے پرہی کم ہیں جو پرہم کو پہچانتے ہوں۔ اصل عاشق وہ ہے جو اپنے دل میں  
پریم (عشق) اور بیراگ (بے تعلقی) کی لہروں کو اس طرے مڈھلتا ہے جیسے گرج اور جمن  
کے دھارے مل جاتے ہیں۔ اس کے دل میں یہ مقدس پانی ہمیشہ بہتا رہتا ہے تب  
کہیں جا کر جنم اور مرن، موت اور زندگی کا انت ہوتا ہے۔

(۴)

دیکھو ووجود میں عجب سرام ہے  
 ہوئے موجد نو سہی ہاوی  
 سُرّت کی ڈور شکوہ سند کا جھولنا  
 گہور کی سور نہاں ناد گاوے  
 بیرون کنول نہاں دیکھ ات پھولیا  
 کہیں کبیر من بھنور جواوے

❖

ترجمہ:

دیکھو جو میں کیا آرام ہے۔ اس کا طلق ہی افسوسناک ہے جو جو کو محسوس نہ کرے۔  
 پرانی باتوں میں اس کے سر کا جھولنا ہے جو چٹائیں لے رہا ہے۔ لفظ وہاں  
 باتوں کی طرف توجہ رہے ہیں، ایک افسانہ بلند ہو رہا ہے۔ وہاں بغیر پانی  
 کے نوسنگ، وہاں رہتا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ من کا بھونرا اس کا رس بن رہا ہے۔

(۵)

جگر گئے سج میں کول ات پھولیا  
 تاس ک سکے کوئی سنت جانے  
 شید کی گہور چہوں اور نہاں ہوت ہے  
 اسیم سمندر کی سکے مانے  
 کہیں کبیر یوں ڈوب سکے سندھ میں  
 جسم اور مرن کا بھرم بھانے

❖

ترجمہ:

کائنات کے چکر کے دل میں کیسا حسین کنول کھلا ہوا ہے، اس کا لطف پنچوسنت ہی اٹھا سکتے ہیں (جن کی رو میں پاک ہیں)۔ نغمے (شبد = لفظ) کی گھٹائیں چاروں طرف چھائی ہوئی ہیں اور دل ایک بے کراں سمندر کی مسرت میں ڈوبا ہوا ہے۔ کبیر کہتے ہیں کہ اس سکھ ساگر میں اس طرح ڈوب جاؤ کہ زندگی اور موت کا بھرم باقی نہ رہ جائے۔

(۶)

پانچ کی پیاس نہاں دیکھ ہو ری بھنی  
تس کی تاب نہاں لگے ناہیں  
کسے کبیر یہ اگم کا کھیل ہے  
گیب کا چاندنا دیکھ ماہیں  
جسم سرن جہاں تاری ہوت ہے  
ہوٹ آند نہاں گگن گاہے  
اُنہٹ چھکار نہاں ماداں حد گھرے  
تر لولک محل کسے ہویم باھے

\*

ترجمہ:

دیکھو وہاں پانچوں لذتوں (شبد، سپرش، روپ، رس، گندھ) کی پیاس بجھ گئی ہے اور تینوں دکھوں (مادی، روحانی، ذہنی) کا بغاوت اتر گیا ہے۔ یہ مقل و فہم سے بالاتر (اگم) کا کھیل ہے۔ دیکھو تمھارے وجود میں غیب کی چاندنی ہے۔ وہاں زندگی اور موت کی تالیاں مسلسل بچ رہی ہیں، مسرت کی روشنی آسمانوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ ایک ابدی نغمے کی چھکار سائی دے رہی ہے اور ترلوک محل (تین دنیاؤں کا ایوان) کے پریم باسے بچ رہے ہیں۔

(۷)

چندو تین کوٹ دیپ برت ہے  
تور باحے تہاں سنت جھولے  
بیار جھسکار تہاں نور بوست ہے  
رس پیوے تہاں بھکت جھولے

✽

ترجمہ:

چاند اور سورج کے کرداروں چراغ جل رہے ہیں۔ غارے بج رہے ہیں اور عاشق  
(سنت) پیگ بڑھا رہا ہے۔ پریم کا گیت گونج رہا ہے، نور برس رہا ہے اور پہاڑی  
(بھکت) بھگتی کا رس پی کر محو رہا ہے۔

(۸)

حسم سون بیج دیکھ انثر نہیں  
دجھ اور بام ہوں ایک آہی  
کسہیں کبیر یا سیں گونگا نشیں  
وید کنب کی گم ناہیں

✽

ترجمہ

زندگی اور موت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ داہنا اور بائیں ہاتھ ایک ہی ہے۔ کبیر  
کہتے ہیں کہ یہاں عزم راز کو گناہ جاتا ہے۔ یہ وہ صداقت ہے جو ویدوں اور کتابوں  
میں نہیں ملتی (صرف محسوس کی جاسکتی ہے)۔

(۹)

ادھر آسن کیا کیا اگم پیالا پیا  
 ہوگ کی سول جگ جگتی ہائی  
 بستہ بن جائے چل سہر بیگم تھے  
 دیا جگدیو کی سہج ائی  
 دھیان دھر دیکھیا، دین بن پیکھیا  
 اگم اگادہ سب کہت گانی  
 سہر بیگم تیرا گم کونالہی  
 ہوئے بیگم جو گم ہاوی  
 گنا کی گم نا عجب ہیرام سے  
 سین جو لکھے سوئی سین گاوی  
 ❀

ترجمہ:

میں نے شونہ کے (خداؤں میں معلق) آسن پر بیٹھ کر سادھنا کے ناقابل بیان رس کا  
 پیالا پیا۔ اب میں اسرار کا محرم ہوں اور وحدت کے راز کا سمجھنے والا ہوں۔ راہ کے بغیر  
 چل کر میں اس شہر میں پہنچ گیا ہوں جہاں کوئی غم نہیں ہے۔ (بیگم پورا = بے غم پورا)  
 جگدیو کا رتم اور کرم آسانی سے نصیب ہو گیا ہے۔ میں نے دھیان دھر کے دیکھا تو وہ  
 بغیر آنکھوں کے نظر آ گیا جو لامحدود ہے۔ جسے لوگ نارسائی کی منزل کہتے ہیں، یہ  
 مقام غموں سے آزاد ہے۔ یہاں پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے لیکن جس نے غم پایا وہی  
 بے غم ہو گیا۔ یہاں مجب آرام ہے۔ دانش مند وہ ہے جس نے یہ مقام دیکھا ہے۔  
 دانش مند وہ ہے جس نے اس کا گیت گایا ہے۔

(۱۰)

مکھ بانی بکو سواد کیسے کہے  
سواد پاوے سوئی مکھ مانے  
کہیں کبیر ہا سین گونگا تھیں  
ہونے گونگا ہونی سین جانے

❦

ترجمہ:

یہ حرف آخر ہے، مگر اس کا مزد کیسے یاں یا جائے۔ جس نے مزد چکھا ہے وہی اس  
مذت و چٹا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ اس سے مدت انداز ہونے کے بعد چاہی دانش  
مدت من جاتا ہے اور دانش مدتی موش ہو جاتا ہے۔

(۱۱)

جھکیاں اوڈھوت سستان مانا رہے  
گیان و براگیہ سندھر لیا ہورا  
سوانس اسوانس کا پریم پالا پیا  
گنگی گرجے نہاں بھرے تورا

❦

ترجمہ:

”سوئے (ہونے) نے میں چور ہے۔ گیان (علم) اور ویراگیہ (بے تعلقی) کی تکمیل ہو  
گئی ہے۔ تپتی جاتی سانس کا پریم پالا اس نے پیا ہے۔ سارا آکاش شکیست سے بھرا  
ہوا ہے۔“

(۱۲)

بن کر قانتیا ناد گگاتا رہے  
جشن جبریا لیا سدا کھیلے  
کسے کبیر بران بران سندھ میں ملاوے  
برم سُکو دھام تہاں بران میلے  
❖

ترجمہ:

انگلیوں کے مضراب کے بغیر تاروں سے نئے نکل رہے ہیں۔ میٹھ اور غم کا کھیل جاری  
ہے۔ کبیر کہتے ہیں کہ جو کوئی اپنی زندگی کو زندگی کے سندھ میں ملا دیتا ہے اس کی روح  
مہا آند میں ڈوب جاتی ہے۔

(۱۳)

آنھو بہر متوال لاگی رہے  
آنھو بہر کی جھاٹ پیوے  
آنھو بہر مستان ماتا رہے  
برہم کے دیہہ میں بھکت جیوے  
❖

ترجمہ:

آنھوں پیر کا متوالا پن ہے، آنھوں پیر جام پر جام چل رہے ہیں۔ آنھوں پیر سرمستی  
چھائی رہتی ہے، برہم کے جسم میں بھکت زندہ ہے۔

(۱۴)

سایح ہی گھب اور سایح ہی گھب ہے  
کانچ کون نیاگ کر سایح لاگا  
کھس کسر ہوں بھکت ہر بھنے ہوا  
جسم اور مرن کا بھرم بھاگا

ۛ

ترجمہ:

جی سی بھتا ہے اور جی سی واپس آتا ہے۔ جھوٹی پٹک دھک کو پھوڑ کر جی سی کا ساتھ دیتا  
ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ اس طرح جنت نذر ہو جاتا ہے تو زندگی اور موت کا بھرم باقی  
کبھی رہتا۔

(۱۵)

گگی گر جے تنہاں سدا باوس چہرے  
بیون چھکار نت بھت نورا  
گگی کہے بھون میں گیب کا چاندنا  
ادے اور است کا ناؤں ناہی  
دوس اور دین تنہاں نیک مہی پانی  
بریم ہر کام کہے سندھ ماہی

ۛ

ترجمہ:

وہاں گگی گرجتا ہے اور نور کی جھڑکی لگی رہتی ہے۔ تاروں میں جھنکار ہوتی ہے اور  
تار سے جلتے ہیں۔ عرش کے محل میں فیضانِ چاندنی پھیلتی ہے۔ طلوع اور غروب کا نام



بھی نہیں ہے۔ عشق کا نور (ظہور) ایک سمندر ہے جس میں دن اور رات کا وجود نہیں۔

(۱۶)

سدا آئندہ ڈگ دتہ وہاں نہیں  
پور نائندہ بھر پور دیکھا  
بھرم اور بھراست نہاں نیک سہی پائے  
کسی کبیر رس ایک پہنچا

✽

ترجمہ:

صرف سرور ہی سرور ہے۔ نہ دکھ ہے نہ کشمکش۔ وہاں میں نے بھر پور آئندہ دیکھا ہے۔  
وہاں غلطی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کبیر کہتے ہیں کہ وہاں صرف وحدت کا جلوہ دکھائی  
دیتا ہے۔

(۱۷)

کھیل برہمانڈ کا پنڈ میں دیکھا  
جگت کی بھرنا دور بھاگی  
باہرا بھیڑا ایک آکاس وت  
دھریا میں ادھر بھر پور لاگی

✽

ترجمہ:

میں نے اپنے وجود (جسم) میں کائنات کا ہنگامہ دیکھا ہے اور مجھے دنیاوی غلطیوں سے  
نجات مل گئی ہے۔ خارجی اور داخلی وجود سے ایک آسمان بن گیا ہے، محدود اور لامحدود

تھ ہو گئے ہیں۔

(۱۸)

دیکھ دیدارِ مستان میں ہوئے وہیا  
سکل بھر ہووے نورِ تیرا  
گیان کا تھال اور پریم دیپک اسے  
ادھر آس کیا اگم ڈیرا  
کہیں کبیر نہاں بھرم بھاسے نہیں  
جنم اور مرن کا مٹا پھیرا

۵۹

ترجمہ:

میں دیدار کی شراب سے مست ہو گیا ہوں، تیرا نور بھر پور عمل میں ظاہر ہوتا ہے۔  
گیان کی تھال میں پریم کا دیا جل رہا ہے۔ شویہ کے آسن پر سادھنا کا ڈیرا ہے۔ کبیر  
کہتے ہیں، وہاں لفظی کا وجود نہیں اور زندگی اور موت کی کشمکش ختم ہو چکی ہے۔

حاشیہ:

بند (۱) گرد و آرائش = سارن۔ (دیکھیے نمبر ۸۹)

بند (۲) نرت اور رت = سادھن یعنی جھکتوں کے روحانی ریاض کے دو پہلو ہیں۔  
ایک نرت جس کا مطلب ہے ریا سے بے تعلق ہو جانا اور دوسرا نرت جس کا مطلب  
ہے بھگوان سے لگنا۔ اس لیے اس نظم میں اور آئندہ نظموں میں نرت کا ترجمہ پریم  
اور رت کا ترجمہ چراگ کیا گیا ہے۔ کبیر نے نرت (پریم) کو راگ اور رت  
(چراگ) کو ریت کے تار سے تشبیہ دی ہے۔ جس طرح تار سے راگ پیدا ہوتا ہے اسی

طرح ہیراگ اور دنیا سے بے تعلقی سے پریم پیدا ہوتا ہے۔

بند (۶) آگم غیر متحرک، ساکن، ناقابلِ فہم، ناقابلِ حصول، جس میں دوسرے کی سہائی نہ ہو سکے، گہرا، اتھاہ، لامحدود، بیکراں۔ آگم کی مجزی ہوئی شکل میں اس کے معنی ہیں مستقبل یا دوسری دنیا۔

مذہ اکس اب جہاں بیٹھے ، حوت سد اُحبارا ہو  
 سب سروپ راگ جہاں بھولے ، سانی کرت بہارا ہو  
 کونن جندر سور جیہب جیہب ، اینک روم اُحبارا ہو  
 وہی پار اینک نگر سست ہے ، ترست امرت دھارا ہو  
 کہیں کسیر سو دھرم داسا ، لکھو نرنی دربارا ہو

✽

ترجمہ:

وسط آسمان میں جہاں خود بگھواں براہمن ہیں ، پکٹے دکتے لفظوں کا اجالا ہے (صوت  
 سرمدی کا نور پھیلا ہوا ہے)۔ جہاں سفید راگ پھول کی طرح کھل رہا ہے ، مالک کے  
 وجود کی بہار ہے۔ اس کے ایک روئیں کی روشنی کے سامنے کروڑوں چاند سورج ماند پڑ  
 جاتے ہیں۔ اس پار ایک نگر بس ہوا ہے جہاں بروقت امرت کی دھار برس رہی ہے۔  
 یہ کہتے ہیں کہ اسے دھرم داس ، آؤ اور میرے مالک کا دربار دیکھو۔

ہر ماتم گرو ٹکٹ وراجیں  
 جاگ جاگ مں میرے  
 دھانے کیے ہیشم چرنن لاگے  
 سائیں کھڑا سر تیرے  
 جگن جگن نونہہ سووت ہینا  
 اجہو نہ جاگ سہیرے

\*

ترجمہ:

دیکھ پر ماتم روڈی گرو تیرے پاس ہی ہے۔ اے میرے من اب تو جاگ جا۔ دوز کے  
 پرتم کے چیر چھو لے۔ دیکھ تیرا سائیں تیرے سر پر کھڑا ہوا ہے۔ تجھے سوتے سوتے  
 ٹک بیت گئے۔ کیا آج کی صبح بھی تو نیند سے بیدار نہیں ہوگا؟

من تو پار اتر کہاں جیہو

آگے ہنوں ہنوں نہ کوئی، کوچ مکام نہ پہو

سہس سہاں سر، داؤ سہس کھبوت، ناکی کھنچیں ہارا

دھری گناں کلب کچو، سہس، کچو وار نہ پارا

سہس من، سہس من، سہس این ہوا سن من سڈھ مے پہو

ملی وان ہونے ہنچو گھٹ من، واپس سہریں ہونہو

بارو مار جچار دیکو من، اب کہوں سب جیہو

کھیں کبیر سب جہاز کلب، جیوں کے سوں تھہر پہو

ۛ

ترجمہ:

اسے میرے دل، تو پار اتر کہاں جاے گا؟ تیرے سامنے نہ تو کوئی رہرو ہے نہ راہ، نہ  
وقت ہے نہ مقام۔ وہاں نہ تو پانی ہے، نہ ولی تار، نہ عیون ہارا۔ نا کے باندھنے کے  
یہ رہی بھی نہیں ہے اور کوئی اسے کرے کھینچنے والا بھی نہیں ہے۔ زمین، آسمان،  
وقت (زمان و مکان) سب ناپید ہیں۔ آ رہا پار کچو نہیں۔ نہ تن ہے نہ من، نہ کوئی مقام  
جہوں، نہ نئی چیزیں، ہمہ سب کے سناٹے اور خلا میں کچو بھی تو نہیں ہے۔ ہمت

سے کام لے اور اپنے گھٹ میں داخل ہو جا (دیکھیے نظم نمبر ۶)، وہیں کوئی تصور ٹھکانا ملے گا۔ خوب سوچ لے اے دل، کہیں اور نہ جاتا۔ کبیر کہتے ہیں کہ تخیل اور تصور کو چھوڑ پھاڑ کر اپنے وجود میں محو ہو جا۔

### حاشیہ:

یہ بظاہر سیدھی سادی نظم انتہائی پیچیدہ فلسفیانہ خیالات سے بھری ہوئی ہے جس پر شونیہ داد اور وگین داد (یوگا پار) کے فلسفے کا عکس پڑ رہا ہے۔ ان کے مطابق ایک داخلی تخلیقی قوت ہے جسے ”ہری کلپ“ کہتے ہیں جو ”اے وگین“ کے ازلی اور ابدی مخزن سے ہر تصویر اور ہر تصویر کا جوہر حاصل کر سکتا ہے۔ یہ مخزن بجائے خواہ خالص خیال ہے، وہ خیال جو اپنے وجود کے لیے کسی شے کا محتاج نہیں (خیال مطلق)، یعنی ایسا خیال جو محض خدا، خاموشی اور مکمل سنا (شونیہ) ہے۔

گھر گھر دیبٹ ہے، ناخنے نہیں، اندہ ہے  
 لکھت لکھت ناخنے ہے، کٹے حہ ہند ہے  
 کھن کھن کجواہی، سہن کجچہ کرہ ہے  
 جہنے جی مور ہے، بھوری نہیں مرن ہے  
 جوگی ہڑے سوگ، لہن گھر دور ہے  
 ہاسہی سب بھور، سو چیز بھ کچھور ہے  
 ہاسہن دجھا دیتا، گھر گھر گھال ہے  
 مور سبھوں ہاس، تو ہاہن ہال ہے  
 اہس صاحب کبیر سلونا آپ ہے  
 سہن جوگ سہن حاب، تین سہن باب ہے

✽

ترجمہ:

گھر گھر چراغ جل رہا ہے (ہر فرد کے اندر سکھوں کی جوت ہے) ادھی آنکھوں کو  
 اٹھائی نہیں دیتا۔ لیکن، کھینے کی وٹش ہو تو ایک دن آنکھیں کھل جائیں گی اور موت  
 کے پھندے نہٹ جائیں گے۔ کہنے، سننے اور کرنے کو کچھ بھی نہیں۔ جو جیتے جی مر گیا



(جس نے آرزو کو ترک کر دیا) وہ دوبارہ نہیں مرے گا۔ ”سراپا آرزو ہونے نے بندہ کر دیا ہم کو اگر نہ ہم خدا تھے مگر دل بے مدعا ہوتے“ میر (جو جوگی بھگوان کو نہ پا کر بھر کی تہائی (بیوگ) میں پڑا رہتا ہے وہ کہتا ہے کہ گھر دور ہے۔ حضور (بھگوان) تو پاس ہی موجود ہیں (رگب جاں سے زیادہ قریب ہیں) اور تو کھجور کے بیڑ پر چڑھ کے تلاش کر رہا ہے۔ برہمن گھر گھر جا کر منتر سکھاتا ہے اور لوگوں کو چوپٹ کرتا ہے۔ آب حیات کی دھار (جہنن = بنجیوں) تو وجود کے اندر بہہ رہی ہے اور تو پتھر کو پوچھ رہا ہے۔ کبیر اپنا صاحب تو ایسا سلوتا (حسین و جمیل) ہے کہ اس کے سامنے جوگ، جاپ، یون اور پاپ سب فضول ہیں۔ (اس کو حاصل کرنے کے لیے عبادت، تسبیح، نذاب اور ثواب کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔)

(۲۲)

سادھو، سوست گرو مونہی بہارے

سب پریم کی چرخہ بنالہ، اپ بڑے موسیٰ ہارے

پردہ دو کئے اکیس کی، ترہہ درس دکھلاوے

حسن دس مس سب لوٹہ درسے، ان حد سد ہارے

اسک سی سب سکھو دکنہ دکھلاوے سد میں شرت سداوے

کھس کھیرا کو بھنے ناہیں، برہمنے بد ہر سارے

❖

ترجمہ:

سادھو، مجھے تو وہی کر، محبوب ہے جو پائی کے پیالے بھر بھر کر خود بھی پیتا ہے اور مجھے

جی پاتا ہے۔ اور انھوں کے پرے انھا، تا ہے اور برہمن کا جلدہ، کھا دیتا ہے۔ برہمن

نے جلوے میں ساری دنیاوں کے جلوے ظراتے ہیں اور امانی اور ابدی نفع ستائی

دیتا ہے۔ وہاں رنج اور توشی ایک ہو جاتے ہیں اور ہر غلط عشق سے سرشار ہو جاتا ہے۔

یہ نتیجے میں نہ دس وراوا امانے والا، یہاں کر مل جائے اسے کوئی خوف نہیں ہے۔

(۲۳)

تیر سا بچہ کا گہرا اُومے، جواوے پریم من من میں  
 بچہم دس کی کھڑکی کھو سو ڈوبہ پریم گنگی میں  
 جیب کھول دل رس پورے، لہر لیٹہ یانی میں  
 سسکھ گھٹ سہانی باجے، سوہا سدھ محل میں  
 کہیں کیر سنو بھانی سادھو،  
 امر صاحب لکھ گھٹ میں

\*

ترجمہ:

شام کے سائے گہرے ہو رہے ہیں اور پریم تن من پر چھ گیا ہے۔ بچہم کی کھڑکی  
 کھول دو اور پریم گنگی میں ڈوب جاؤ۔ دل کے کنول کا رس پو اور ہروں کو اپنے جسم  
 میں جذب کرو۔ سمندر کی طرح ہریں لیتے ہوئے حسن کے محل میں شکھ، گھٹے اور  
 شہنائیاں بج رہی ہیں۔ بھائی سادھو سنو، کیر کہتے ہیں کہ لافانی مالک (امر صاحب)  
 ہمارے گھٹ (جسم) کے اندر ہے، اسے دیکھو۔

### حاشیہ:

چندت ہراری پر سادہ دہائی دہائی — نکلا ہے کہ شام کا اندھیرا سنتوں کی شاعری میں  
بڑا چاپ کی حد مت ہوتا ہے لیکن اس نظم میں وصال یار کی ملامت ہے۔ نکلے۔ سمجھنے اور  
شہنائیوں وصال کا جشن منانے کے لیے ہیں۔ چوں کہ شام کا اندھیرا پتھم کی طرف  
تے بڑھتا آتا ہے اس لیے پتھم کی گزرتی کھول اجیالے کی ملامت ہے جس میں پتھم  
تے مر "اسان کی پشت ہے جہاں ریزہ کی ہڈی کے درمیان سے وہ روحانی شاہراہ  
گزرتی ہے جسے سوشنا مادگ کہتے ہیں۔

(۲۴)

جس سے دہن اپار جگت سی،

سو پریتم معھے پیارا ہو

جیسے بُرنن دیسے جل بھیتر،

جل ہی میں کورت پارا ہو

وا کسے ہی ہر نہ لاگے، ذھنک جے جس پارا ہو

جیسے سنی جڑھے اگے پر نہ وجہ نہ پارا ہو

آپ حرے اورں کو حارے، را کھے پر نہ مر حارا ہو

نہو سا گرات دی اگے ہے، احد اکہ دیسا ہو

کھس کسر سو بھانی سادھو، سرے اسے نہ پارا ہو

❖

ترجمہ:

مجھ دو پریتم پیارا ہے جو اس صفت میں مجھے ہم ساروں کے سب لگا رہا ہے۔ جتنے دل  
کا پتا پانی میں رہتا ہے، پانی ہی میں اپنی تسلی چیدتا ہے لیکن پانی اسے بھونٹیں سکتا  
اور پارے کی طرح ذھنک جاتا ہے (اسی طرح میں سنسار میں رو کر سنسار کے مود  
میں نہیں جکڑ ہوتا)۔ جیسے سنی محبت کے عہد و بیان و نہیں توڑتی اور آگ میں کود جاتی

ہے، خود جلتی ہے، اور دوس کو جلاتی ہے (غیر ک کرتی ہے)، لیکن عشق کی لالچ رکھ لیتی ہے (میں سنسار کی آگ میں جلتا ہوں)۔ دیا کا سمندر بہت گہرا اور بے کراں ہے۔ سنو بھائی سادھو، کبیر کہتے ہیں کہ کم ہی لوگ اسے پار کر کے دوسرے ساحل تک پہنچ سکتے ہیں۔

(۲۵)

ہری نے اپنا آپ چھپایا  
ہری نے نہیج کر دیکھرایا  
ہری نے مجھے کٹھن بیج گھیری  
ہری نے دہدھا کائی میری  
ہری نے سکھ دکھ بتلانے  
ہری نے سب دُند مٹانے  
ایسے ہری پہ تن من واروں  
ہران ہی تجوں ہری نہیں بساروں  
\*

ترجمہ:

ہری نے اپنے وجود کو چھپایا اور پھر نہایت نفست سے ظاہر کیا (وہ کائنات کے حسن کی شکل میں ظاہر ہوا)۔ ہری نے مجھے کٹھنی میں پھنسا دیا ہے اور پھر ہری نے ہی شک اور شبہ کی رنجیریں کاٹ دی ہیں۔ ہری نے سکھ اور دکھ دونوں دیے ہیں اور ہری ہی نے کشمکش کو مٹا دیا ہے۔ ایسے ہری پر میں اپنا تن من ٹاڑا دوں گا۔ جان دے سکتا ہوں لیکن ہری کو بھول نہیں سکتا۔

حاشیہ

مری دشمن کے یہ استوں ہوتا ہے۔ کیر نے مام طور سے بھوان کے معنوں میں لیا  
 ہے۔



(۲۶)

اونکار سیے کوئی سرھے، راگ سروپی انگ  
 نراکار برنگی اباسی، کر واپی کو سنگ  
 نام بریجی، نیس مذھے، نانا روپ دھرم  
 ترنگ ریرنگی اباسی اہار انہا۔ انگ  
 مہا سکھ مگن ہوئی ناچے، ابھے انگ ترنگ  
 س اور تن تھرہ رہت ہے، مہا سکھ کے سنگ  
 سب جیت سب اند سب ہیں دکھ گہست  
 کھاں آد کھاں انت آپ سکھ بچ دھرم

✽

ترجمہ:

اوم نے سب کی تخلیق کی ہے جو خود نیچے کی طرح ہے۔ وہ جسم سے بے نیاز ہے  
 (نراکار) اور صفات سے پاک (ترنگن) ہے۔ وہ لایوت (اباسی) ہے۔ نام ترنگن  
 ہے لیکن نظروں میں طرح طرح کے روپ و عمار کے سماتا ہے۔ وہ لامحدود ہے،  
 لامتناہی ہے، لازوال ہے۔ وہ مہا سکھ، مہا آئندہ (انتہائی سرور) کے عالم میں ناچتا ہے تو  
 بے شمار جسم موج در موج پیدا ہو جاتے ہیں۔ (انگ انگ میں ترنگ اٹھتی ہے۔) اس

مہا سکھ اور مہا آئند کے ساتھ مل کر تن "ارمن اپنے آپ کو سبھا نہیں پاتے۔ شعور اور  
 احساس، جیش اور غم اس سے سرشار ہیں۔ (ہر انگ میں حس و حرکت ہے، ہر انگ سکھ  
 اور درد کو محسوس کرتا ہے۔) اس کی کوئی ابتدا نہیں ہے، کوئی انتہا نہیں ہے، وہ اپنے  
 انبساط کے اندر سے جھٹک رہا ہے۔

(نوٹ اس نظم میں لفظوں کا جو حسن اور نشہ ہے وہ ترجمے میں نقل کرنا ناممکن  
 ہے۔ پچ چار مصرعوں کو بار بار پڑھیے تو ان کی لذت خود بخود محسوس ہونے لگے گی۔)

حاشیہ:

اوکار = اوکار - او = بھوان کا راگ روپی یا شہد روپی انگ، وجود مطلق، خالق  
 کائنات۔

(۲۷)

ست گرد سونی دیا کر دینہا  
 تاتے ان چنہار میں چینہا  
 ہں ہنگ جلا ہں ہر ازا ہا چونچ کا چنگ  
 ہں ہیں کا دیکھیں پیکھیں، ہں سروں کا سسا  
 چند نہ سور دوس نہیں رچی، تہاں شرت لولائی  
 بنا ان امیرت رس بھوچی، ہں جل ترشا بھہائی  
 جہاں ہرس تہاں پورن سکھ ہے  
 یہ سکھ کا سورن کہنا  
 کہے کہیر ہل ہل ست گرد کی، دھن سنن کا لہا

❦

ترجمہ:

یہ میرے ست گرد (بچے مالک) کی مہربانی ہے کہ میں نے قتل و فہم سے بالاتر کا  
 عرفان حاصل کیا ہے۔ اس عرفان کا کیا کہنا جس میں بغیر ہیروں کے چلتے ہیں، بغیر  
 پروں کے اڑتے ہیں، بغیر چونچ کے چلتے ہیں، بغیر آنکھوں کے دیکھتے ہیں، بغیر  
 کانوں کے سنتے ہیں۔ میرا عشق مجھے وہاں لے آیا ہے جہاں نہ چاند ہے نہ سورج، نہ

دس ہے نہ رات۔ اٹان بھیں ہے لیکن امرت رس کا بھوجن مل رہا ہے، پانی نہیں ہے  
 لیکن پیاس بجھ رہی ہے۔ جہاں انبساط ہے وہیں مکمل سکون ہے اور یہ آئندہ قابل  
 بیان ہے۔ کبیر کہتے ہیں کہ ایسے گرد کے قربان جائیے۔ اس کے چیلے (سش =  
 شاگرد) کی قسم مبارک ہے۔

حاشیہ:

ان چہار = غیر متعارف۔

(۲۸)

برگن آگے سرگن ناچے  
ناچے سوہنگ تورا  
جیلا کے پاؤں گرو جی لاگے  
بھی اجمہا ہورا

\*

ترجمہ:

ذات کے سامنے صفات ناچ رہی ہیں۔ انا الحق کا ساز بج رہا ہے۔ سب سے بڑے  
اجنبی کی بات یہ ہے کہ گرو چیلے کے قدم چھو رہا ہے۔

حاشیہ:

باسے سوہنگ تورا انا الحق کا ساز بج رہا ہے۔ (دیکھیے ۱۲) اس کی تفسیر یہ ہے کہ ذات  
کے سامنے ناچتی ہوئی صفات انا الحق کا ساز بجا رہی ہیں۔ جب گرو چیلے کے پاؤں چھوتا  
ہے تو دائمی وحدت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس کو "سز تو حید" (ایک پن کا بھید) کہتے  
ہیں۔ (دیکھیے ۲۷)

پڑن

کبیر کب سے بھنے ہیرا کی  
نہری نریت کہاں کو لا گی  
آز۔

شی جیرا کہ میلا ناہیں، سہیں گروہی جیلا  
سکر ہستارا حق در ناہیں، جہہ در یو نہی اکلا  
گور کو ہم نہ کہے ابھی ہیرا کی  
بہری نریت ہر ہم سوں لا گی  
برعنا ابھی حب نویی دبسی، سنن سہیں حب نہی  
سو شکہی کہے جسے ناہیں نہی جوگ بہ سکوا  
کسی میں بہ پر گٹ بونے ہی، راسا سد جسدانے  
پیداس احد کی سادو بہ دائے، ملن کرں کو آنے  
سہجے سہجے میلا ہونے گا، خاک کی چگت اُستگا  
کہیں کبیر، سو سو گور کو جلاو گیت کہے سگا

\*

ترجمہ:

سوال کبیر تم کب سے پیراگی ہوے؟ تم کس کے عشق میں جھٹلا ہو؟  
جواب: جب وچتر کا میلا نہیں لگا تھا، جب وحدت میں کثرت کے جلوے دکھانے والے نے اپنا کھیل نہیں شروع کیا تھا، جب گرد اور چیلے کی تفریق نہیں تھی، جب زمیں اور آسمان (سکل = سنسار) کا پھیدہ نہیں تھا، جب پرش (ذات مطلق) تھا تھا، اے گورکھ ناتھ، کبیر تب ہی سے پیراگی ہیں، تب ہی سے ہم برہم کے عشق میں جھٹلا ہیں۔ ہم نے یوگ اس وقت سیکھا تھا جب برہما کے سر پر تاج نہیں تھا، (تخلیق کائنات کا حق نہیں پایا تھا)، جب دشمنو کے ماتھے پر نیکا نہیں تھا (دنیا کو پالنے کا ادھیکار نہیں ملا تھا، جب شوک شکتی پیدا نہیں ہوئی تھی)۔ ہم کاشی (بنارس) میں ظاہر ہوے اور رامانند نے ہمیں شعور کی روشنی عطا کی۔ احدیت کی پیاس (امحدود کو حاصل کرنے کا شوق) اور اس سے ملنے کی تڑپ ہم ساتھ لائے تھے۔ اس سادہ سے ہم سادگی ہی کے ساتھ مل سکیں گے اور بھگتی (محبت) کا طوفان امنڈ آئے گا۔ اے گورکھ ناتھ، سنو، کبیر کہتے ہیں کہ اس کے سنگیت کی آواز کے ساتھ ساتھ بڑھے چلو۔

حاشیہ:

عنی چترا: وحدت کا کثرت بن جانا۔

برہما، دشمنو، شو (دیکھیے ۱۵)

اس نغمہ میں یہ جذبہ ہے کہ آتما خود برہما، دشمنو اور شو سے پہلے موجود تھی۔ آتمن برہمن میں مجھو تھی۔ حافظ شیرازی نے اسے اس طرح ادا کیا ہے۔

ماجر اے من و معشوق مرا پایاں نیست

ہرچہ آغاز نہ دارد نہ پذیرد انجام

(ترجمہ: "میری اور میرے محبوب کی محبت کی کہانی کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔ جس چیز کی

ابتدا نہیں ہے اس کی انتہا کیسے ہو سکتی ہے۔" یعنی میرا عشق ادلی اور امدی ہے۔ وہ  
 باب سے ہے باب سے وجود "طلاق" ہے اور وجود "طلاق" کی کوئی ابتدا نہیں ہے۔ اور  
 روی نے کہا ہے

ما خزان خزان و لہار بود ایم      ما سائب مصاحب و لہار بود ایم  
 ما در فضاں عام اسرار سہا      با طارن قدس در الطوار بود ایم  
 ما رات خوار ز غم مستی شہد ایم      پر کوئے یار بے غم اغیار بود ایم  
 آدم نوز در ہدم آید بود      مست و خراب رگس آں یار بود ایم  
 پیش ر نظور غم و افلاک و امارات      وار بگرد نقطہ چو پرکار بود ایم  
 در کشن وصال پہ چندیں ہار سہا      پیش ار و کوں طار ملہار بود ایم  
 غیر از نیل نہ بود با شہر و مستقیم      در کثرت جنیں اپنے اظہار بود ایم

(کلیات شمس تبریزی)

(ترجمہ میں محبوب کے خزانے کا محاکمہ رہا، میں، میں، رسول اس کا مصاحب رہ چکا  
 ہوں۔ میں عام سراری فضا میں طارن قدس سے ہاتھ برسوں نہ چکا ہوں۔ عالم  
 مستی سے میں نے اس کی سمجھی یہ اور چہ یار میں رقیب کے بغیر تہا رہا ہوں۔ ابھی آدم  
 کی تخلیق بھی نہیں ہوئی تھی باب میں اپنے یاری آنکھوں کا مست و خراب تھا۔ آہوں  
 در ستاراں کے وجود سے پہلے میں وجود "طلاق" کے نقطے کے گم گھوم رہا تھا۔ دونوں  
 جہان کے وجود سے بھی پہلے میں ہی کشن وصال میں اڑ رہا تھا۔ ایک کے سونہ تو کچھ  
 تھا۔ نہ سونہ ہے نہ سونہ ہے۔ صرف اپنے اظہار کے لیے یہ کثرت کی عقل امتیاری کی  
 ہے۔)



(۳۰)

با فرور میں ایک پکھرو، بھوگ سرس وہ ڈولے رہے  
 واکی سندھ لکھے سہیں کوئی، کور بھاؤ سون بولے رہے  
 دُرم ڈار نہاں اب گھن جھایا، بےجھی بسیرا لئی رہے  
 ارمے ساحل، اڑ حائے بسیرا، سرم نہ کابو دینی رہے  
 سو پنجھی مونہی کوئی نہ بتاوی،  
 جو بولے گھٹ مانی رہے

اہر ہر روپ ماہی ربکھ، بیٹھا پریم کے جھانسی رہے  
 گم اپر ترنر باسا، اوت حاوت نہ دیسا رہے  
 کسے کبیر، سو بھائی سادھو، بہ کچھ اگم کہانی رہے  
 یا بےجھی کے کور تھور ہے، بوجھو بندت گبانی رہے

\*

ترجمہ:

اس بیڑ پر ایک چڑیا ہے جو میٹھا رس پی کر جھوم رہی ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں  
 ہے۔ کسی کو نہیں معلوم کہ اس کے گیت کا کیا راز ہے۔ جہاں ڈالیوں کا سایہ سب سے  
 زیادہ گہرا ہے وہیں اس چڑیا کا بسیرا ہے۔ وہ شام کو آتی ہے اور صبح اڑ جاتی ہے اور اپنی

راز کسی پر ظاہر نہیں کرتی۔ کوئی نہیں بتاتا کہ وہ کون سی چیز یا ہے جو میرے وجود (گھٹ  
 - جسم) میں دلی رہی ہے۔ وہ نہ تو رنگین ہے نہ بے رنگ، اس کی شکل ہے نہ صورت۔  
 وہ پریم کی چھاؤں میں مٹی ہوئی ہے۔ لامحدود اور بے کراں ابدیت اس کا نشیمن ہے۔  
 اسے آتے جاتے کوئی نہیں دیکھتا۔ سنو بھائی سادھو، کبیر کہتے ہیں کہ یہ بڑی بڑا سرار  
 (گم) کہانی ہے۔ اس پتھری کا ٹھکانا کہاں ہے، اسے کوئی کیان والا بوجھ سکے تو  
 بوجھے۔

حاشیہ:

کبیر دیہاں نیہ آتا (نفس) کا استعارہ ہے اور ترور (درخت) جسم کا۔

(۳۱)

نہیں دن سائلے گھاؤ، نیند آوے نہیں  
 ہیا ملن کی آس، نیمہر بھاوے نہیں  
 کھل گئے مگن کواڑ، سدر اخیار بیو  
 نہیو ہے پُزن سے بھیسٹ، نہں من وار دیو

✽

ترجمہ:

ایک زخم ہے کہ رات دن ٹپک رہا ہے۔ درد سے نیند نہیں آتی۔ محبوب سے ملنے کے  
 لیے دل بے قرار ہے۔ ماں باپ کا گھراں اپنا نہیں لگتا۔ آسمان کے دروازے کھل  
 گئے ہیں اور (ابدیت کا) مندر روشنی سے جگمگا رہا ہے۔ محبوب (پُزن = ذاتِ واحد،  
 عینِ ذات) سے ملاقات ہوئی اور میں نے اپنا تن من اس پر وار دیا۔

حاشیہ:

مگن کواڑ: شوئیہ کا دروازہ، سادھنا، سادھی۔

ناج دے مہوے میں مست ہوئے

۔۔۔ کوراگ بھانے رس، دس دس سے سب کوئی

راؤ کسٹ ہو گیا، حاجے، حہ حہ آند ہوئی

کتری، سمندر، دھڑسی حاجے، بولٹ حاجے پس روئی

چھاپ بٹک لکائی دس جبرہ، ہو رہا جگ سے سارا

سہس لڑا، لڑا میں میرا حاجے، رہے سہس سارا

ۛ

ترجمہ:

اس میرے دل، آج مست ہو کر تاج، رات دن پریم کا راگ بنگ رہا ہے اور ہر شخص

کے سے چٹھے بوس رہا ہے۔ راہو، بیتہ اور دوسرے ستارے (موت اور زندگی) سب

نہر تھمائی رستی کے ساتھ تاج رہے ہیں۔ پزار، سمندر، زمین سب اس تاج میں جٹا

ہیں۔ اور اسوں کی، نیابگی میں نہ تاجی ہے اور بھی رو کر۔ صرف چھاپا ٹک لگانے

اسے دس پر چڑھ کر یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ جگ سے ایک تھک (اس تاج سے بے

نیار) ہیں۔ یہ اول ساز انداز سے تاجی رہا ہے اور اس کے تاج پر خود خالق کائنات

(سرجن ہارا) رہ گیا ہے۔

حاشیہ:

ساری کائنات اصول اول کے گرد مائج رہی ہے۔ نغمہ حمد و ثنا کا ہے (دیکھیے نمبر ۸۹)۔

من مست ہوا تب کیوں بولے  
 پہرا ہایو، گانشہ گٹھیاہو،  
 بار بار وا کو کیوں کہولے  
 ہلکی تھی تب چڑھی تراجو،  
 ہوری بھنی تب کیوں تولے  
 شرت کلاری بھنی ستواری، سدوایی گنی ہن سورے  
 ہسما ہانے مار سرور، مال تب کیوں ڈونے  
 ہیرا صاحب ہے گھر ماسیں، بابر بیہ کون کہولے  
 کہیں کبیر سو بھانی سادھو،  
 صاحب مل گئے بل اولے

❖

ترجمہ:

من مست ہو گیا تو اب بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ جب پہرا مل گیا اور اسے کانٹھ میں  
 باندھ لیا تو بار بار کھول کر دیکھنے سے کیا فائدہ۔ ترزو جلی تھی تو اس کا ہلکا اوپر تھا، اب  
 ترزو بھری ہوئی ہے تو تولنا بے کار ہے۔ پریم کی ماری شراب پیچنے والی ایسی ستوں

ہوئی کہ بغیر تاپے تو لے ساری شراب چڑھا گئی۔ جس کو مان سرور تحصیل مل گئی ہے تو پھر وہ چھوٹے چھوٹے تالابوں کا پتہ کیوں لگائے۔ جب تیرا مالک (صاحب) گھری میں ہے تو باہر آنکھیں کھولنے سے کیا ملے گا۔ سو بھائی سادھو، کبیر کہتے ہیں کہ میرے صاحب جو تل کی اوٹ میں چھپے ہوئے تھے مجھے مل گئے ہیں۔ (میں عین ذات سے مل گیا ہوں۔)

حاشیہ:

اقبال نے کہا ہے

وہ حرف راز کہ مجھ کو سکھا گیا ہے جنوں  
خدا مجھے نفس جبرئیل دے تو کہوں

مود ہی مود ہی لاگئی، کیسے جھوٹے  
 جیسے کمل پتر جل باسا  
 ایسے تم صاحب، ہم داسا  
 جیسے چکور نکت نس جدا  
 ایسے تم صاحب، ہم بندا  
 مود ہی توں ہی آدالت بن آئی  
 اب کیسے لگن ڈرائی  
 کہیں کبیر ہمراہ لاگا  
 جیسے سُرقا سندھ سمانی

✽

ترجمہ:

میرا اور تیرا عشق کیسے ختم ہو سکتا ہے۔ جیسے پانی پر کنول کا پتا تیرا ہے، ویسے تم صاحب  
 (معبود) ہو اور ہم غلام ہیں۔ جیسے رات کے وقت چکور چاند کو پیار بھری نظروں سے  
 دیکھتا ہے، ویسے تم مالک ہو اور ہم بندے ہیں۔ میرا اور تمہارا عشق زل سے ابد تک  
 پھیلا ہو ہے، یہ کیسے ختم ہو سکتا ہے۔ کبیر کہتے ہیں کہ جیسے ندی سمندر میں جا ملتی ہے،  
 ہمارا دل تم سے لگ گیا ہے۔



ہالم آؤ ہمارے گہرے

تم بن دکھیا دیہے

سب کوئی کہے تمہاری ماری، مو کوں لاگت لاح

دل سے نہیں دل لگایا، لب لگ کسا سہیہ

آن نہ بھارے بید نہ آوے، گرہ نہ دھرے نہ دھیر

کاس کو سے ہالم ہبارا، جیوں پیاسے کو سر

ہے کوئی ایسا ہر آپکاری ہو سوں کہے سائے

اب ہے حال کسیر بھیو ہے بن دیکھے حو حائے

❖

ترجمہ:

ہالم ہمارے گھر آؤ۔ تم بن تن من دکھیا ہیں۔ سب لوگ مجھے تمہاری دہن کہتے ہیں اور

مجھے لاج آتی ہے۔ دل سے دل تو لگایا نہیں ہے، پھر یہ کیسا پیار ہے۔ کھانا پیتا ہوتا

نہیں، نیند آتی نہیں، دل ہے کہ بے قرار ہے۔ گھر میں، دیرانے میں، کہیں بھی تسکین

نہیں ملتی۔ دہن کو اپنا ہالم پیارا ہے جیسے بیا سے کو پانی۔ ہے کوئی ایسا خن جو پیا تک میرا

سندیر پہنچا دے اور کہے کہ کبیر بے حال ہو رہا ہے۔ دن دیکھے اس کی جان جا رہی

ہے (دیدار کے لیے بے چین ہے)۔

(۳۶)

جاگ پیاری اب کا سووے  
 رین گئی دن کاہے کو کھووے  
 جن جاگاتن مایک پایا  
 نیں پوری سب سوئے گنوا یا  
 ہے تیرے خنتر، تو سو رکھ ناری  
 کہہوں نہ ہی کی سیح سنواری  
 نیں پوری پورا میں کینہی  
 بھر جوہن ہی میں نہ جینہی  
 جاگ دیکھ، ہی سیح نہ تیرے  
 توہ جھانڑا اٹھ گئے سیرے  
 کہیں کہیں سوئی ڈھن جاگے  
 شہد بان اراتر لاگے

✽

ترجمہ:

جاگ پیاری، اب یہ سوتی ہے۔ رات ختم ہوگئی، اب دن کیوں کھو رہی ہے۔ جائے

والوں نے ہیرے موتی سمیٹ لیے، تو نے اے پنگی سو کر سب کچھ گنوا دیا۔ تیرے پیا  
 سمجھ دار (پشتر) ہیں اور تو مورکھ ناری (بے وقوف عورت) ہے۔ تو نے کبھی اپنے پیا کی  
 سیج نہیں سنواری۔ ارے پنگی، تو نے کیا غلطی کی ہے۔ بھرا جو بن لے کر بھی اپنے پیا کو  
 نہیں پہچان سکی۔ آنکھ کھول کے دیکھ، تیری سیج پر پیا نہیں ہیں۔ وہ تجھے چھوڑ کر سویرے  
 ہی سویرے چلے گئے۔ کبیر کہتے ہیں کہ صرف وہ جا کی رہی ہے جس کا دل پیا کے شہد  
 بان (لفظوں کے تیر) سے ڈھکی ہے۔

(۳۷)

(۱)

سود ہر کاس تہاں دین کہاں پائیے  
دین ہر کاس نہیں سود بھاسے  
گیان ہر کاس اگیان کہاں پائیے  
ہونے اگیان تہاں گیان ناسے  
کام بلوان تہاں پریم کہاں پائیے  
پریم جہاں ہونے تہاں کام ناپیے  
کسے کبیر بہ ست و چار سے  
سمجھ و چار کر دیکھ مانہی

۴۰

ترجمہ:

جہاں سورج کی روشنی پھیلی ہوئی ہے وہاں رات کہاں ملے گی۔ اور جہاں رات کا اندھیرا ہے وہاں سورج نہیں دکھائی دے گا۔ گیان (علم، عرفان) کی روشنی میں اگیان (جہل) کہاں ملے گا۔ اور جہل کے اندھیرے میں عرفان کا نور نہیں نظر آئے گا۔ جہاں ہوس کا درد ہے وہاں عشق کا پان نہیں اور جہاں عشق ہے وہاں ہوس کا وجود نہیں۔ کبیر کہتے ہیں کہ سچا و چار ہی ہے۔

(۲)

ہکڑ سمسیر سنگرام میں پیسے  
دیسہ پر جنت کر جڈہ بھائی  
کاٹ سیر پیریاں داب جہاں کا تہاں  
آئے دربار میں، سپس نوالی

✽

ترجمہ:

شمشیر ہاتھ میں لے کر میدان جنگ (سنگرام) میں اترو اور اس وقت تک لڑو جب تک  
جان میں جاں ہے۔ دشمن کا سر کاٹ کر اس کا کام تمام کرو۔ پھر مالک کے دربار میں  
آ کر اپنا سر جھکا دو۔

(۳)

سور سنگرام کو دیکھ بھاگے سپس  
دیکھ، بھاگے سوئی سور ناہیں  
کام اور کرودہ مد، لوبھ سے جوحھنا  
سچا گھمسان تن کھیت مانہیں  
سپیل اور سانج، سنتوش ساچی بھنے  
نام سمسیر تہاں کھوب یاہے  
کسے کبیر کوئی جوحھہے سورما  
کایراں بھیڑ تہاں ثرت بھاہے

✽

ترجمہ:

بہادر جنگ کے میدان کو دیکھ کر بھگتے نہیں اور بھاگنے والے بہادر نہیں ہوتے۔ جسم و جان کے رن میں کیا تھکساں کی لڑائی ہو رہی ہے۔ ہوس، غصہ، غرور اور لالچ مقابلے پر کھڑے ہوئے ہیں۔ صبر، قناعت اور صداقت کی بادشاہت میں شمشیر کا نام بلند ہو جاتا ہے۔ کبیر کہتے ہیں کہ جب کوئی سورما لڑائی کے لیے نکلتا ہے تو بزدلوں کی فوج پیٹھ دکھا کر بھاگ جاتی ہے۔

(۴)

سادہ کو کھیل تو ہکٹ نہیڑا ستی  
ستی اور سور کی جال آگے  
سور گھمسان ہے ہلک دو چار کا  
ستی گھمسان ہل ایک لاگے  
سادہ سنگرام ہے دین دن جوجھا  
دیسہ ہر جنت کا کام بھائی

❦

ترجمہ:

صداقت کے مقابلے کی جدوجہد بڑی کٹھن ہے۔ سستی اور سورما کے مقابلے میں اس کا مہدوی زیادہ دوشوار ہے۔ سورما کی لڑائی دو چار کھینچتی ہے، سستی کی جدوجہد ایک ہل میں ختم ہو جاتی ہے لیکن صداقت کا مقابلہ دن رات جنگ کرتا ہے۔ اس کی لڑائی زندگی کے آخری لمحے تک جاری رہتی ہے۔

(۳۸)

بہم ک تالا لگی محل رمے، پریم کی کسھی لگاؤ  
کہٹ کوزیا کھول کے رمے، بہ بدہ بھی کو حگاؤ  
کہیں کبیر سو نہائی سادھو، بھر نہ لگیے اس داؤ

❖

ترجمہ:

دل کے محل میں وہم و گمن کا قتل لگا ہوا ہے۔ اس میں پریم کی کٹھی لگا دو اور کواڑ کھول کر  
سوئے ہوئے محبوب کو جگا دو۔ سنو بھٹی سادھو، کبیر کہتے ہیں کہ ایسا موقع پھر ہاتھ نہیں  
آئے گا۔

نہرم ک نالا لگیا محل رمے، پریم کی کسچی لگناؤ  
 کپٹ کوزبا کپھول کیے رمے، نہ بدہ ہی کو حگاؤ  
 کہیں کبیر سو بھائی سادھو، پھر نہ لگے اس داؤ

❖

ترجمہ:

دل کے محل میں وہم و گمان کا قتل لگا ہوا ہے۔ اس میں پریم کی کنجی لگاؤ اور کواڑ کھول کر  
 سوئے ہوئے محبوب کو جگاؤ۔ سنو بھائی سادھو، کبیر کہتے ہیں کہ ایسا موقع پھر ہاتھ نہیں  
 آئے گا۔



سادھو بہ تن ٹھانھ تہورے کا

اسجہ بارہ مردوت کھوئی، کست راگ بہورے کا  
 ٹوٹے نا، کیر گئی کھوئی، ہو گیا دھورم دھورے کا  
 کسے کس سو بانی سادھو، اکہ ہس کونی سورے کا

❖

ترجمہ:

سادھو یہ تن تہورے کا ٹھانھ ہے۔ جب کھوئی مردوزی جاتی ہے اور ہمارے کھنچتے ہیں تو  
 حضوری کا غم باہر آتا ہے۔ اگر کھوئی ٹوٹ جائے اور تار بکھر جائیں تو پردھول کا سار  
 دھول میں مل جائے گا۔ سنو بھائی سادھو، کیر کہتے ہیں کہ اس میں سے صرف ہر ہا ستر  
 باہر نکال سکتے ہیں۔

اودھو، بھولے کو گھر لاوے  
 سو جن ہم کو بھاوے  
 گھر میں جوگ، بھوگ گھر ہی میں،  
 گھر نچ بن نہیں جاوے  
 گھر میں خلعت، مکنت گھر ہی میں،  
 جو گر الکل لکھاوے  
 سہج سن میں رہے سہانا، سہج سہادہ لگاوے  
 اُٹس رہے، برہم کو جیسے، یرم بنو کو دھیاوے  
 شرت برت سوں میلا کر کے، ان حد باد بھاوے  
 گھر میں ہنسنت، ہنسٹ بھی گھر سے،  
 گھر ہی ہنسٹ ملاوے  
 کہیں کبیرا سنو ہو سادھو،  
 جیوں کا نیوں ٹھہراوے

\*

## ترجمہ:

اور صوفیوں کو وہ پیرا ہے جو بھولے بھٹکے کو گھر واپس لاتا ہے، جو گھر چھوڑ کر جنگل میں بندہ نہیں لیتا کیوں کہ گھری میں وصال محبوب ہے اور گھری میں رہدگی کا لطف۔ جو ان دیکھے کو اٹھاتا ہے۔ گھری میں پابندیاں اور بندشیں ہیں اور گھری میں نہایت اور مکتی۔ جو آسانی سے شوہر (مطل غاسوٹی، برہم) میں سما جائے اور آسانی سے سادگی لگا لے، جو سچے سے بے یار ہو کر برہم کو پہچانے اور اصل حقیقت کو محسوس کرے، جو پریم اور میراٹ کو ملا کر صوت سرمدی کا ساز چھیڑے۔ کبیر کہتے ہیں کہ گھر میں سب تہہ ہے۔ حقیقت گھری میں ہے اور گھری میں وہ حقیقت مل سکتی ہے۔

## حاشیہ:

تاترک سادھوں نے یوگ اور جیوگ کو ایک ہی سمجھا ہے۔ یوگ کی سادھنا (ریاض) مادی اور اب کا وہ خواہ ہے جو تجربات دنیا سے حاصل کیے ہو۔ عام انسانی شعور کی گروں پر رکھا یا جاتا ہے، اور بھوک، دیادی لذتوں، فحش اور مسرتوں کو پوری طرح بدست کاٹ دیتے۔ تاترک اصولوں کے مطابق بھوک کو یوگ کا ذریعہ بنایا جاسکتا ہے، چنانچہ اس اصول میں حسن پرستی، جنسی اور جسمانی ہم آغوشی کے علاوہ کوشت، مچھلی، بھنے ہوئے اناج اور شرب کا استعمال شامل ہے۔ فارسی اور اردو شاعری میں ترغیب کباب اور عظمت کباب کا فلسفہ جس کی وجہ سے یہ شاعری بے حد رنگین اور دلکش ہو گئی ہے، ان تاترک اصولوں سے قریب ہے۔

بندہ نوازیوں پہ خداے کریم تھا

کرتا نہ میں گنہ تو مگناؤ عظیم تھا

(امیر سینائی)

اور محمد غنیام نے تو حد کر دی، مگر کورحمت کی آرائش قرار دے دیا

آباد خرابات ز سے خوردن ما      خون دو ہزار توبہ بر گردن ما  
 گر من نہ کنم گناہ رحمت چہ کند      آرائش رحمت ز گنہ بردن ما  
 (یعنی یہ دنیا میری شراب نوشی سے آباد ہے، میری گردن پر دو ہزار توبہ کا خون ہے۔  
 اگر میں گناہ نہ کروں تو بے چاری رحمت کیا کرے گی۔ میرے گناہوں ہی سے تو اس  
 کی آرائش ہوتی ہے۔) اسی فلسفے کے تحت شراب، جو اسلام میں حرام تھی، صوفیہ  
 شاعری میں شراب معرفت بن گئی اور ایسے اشعار لکھے گئے جیسے  
 ز سے سجادہ رتلیں کن، سرت چہ مغاں کو یہ  
 کہ سالک بے خبر نمود ز راہ درسم منزل ہا

(حافظ)

(یعنی اگر پیر مغاں کہے تو جانم ز کو شراب سے رتلیں کر لو یوں کہ روحانی رہنما منزل  
 کی راہ درسم سے بے خبر نہیں ہوتا۔) کبیر کے یہاں کہیں کہیں تائید کب اثرات ملتے  
 ہیں جیسے اس نظم میں یوگ اور بھوک کے متعلق ان کا نظریہ، نیند سے بے یہاں حوک  
 صرف کھریلو زندگی اور عام سماجی دست واریوں تک محدود ہے۔ اس میں بھی ہم  
 آغوشی اور شراب خوری وغیرہ شامل نہیں ہے۔

ستو مسیح سجادہ بھلی  
 سائیں نے ملن بھبو جا دن نیں،  
 سُرَت نہ است چلی  
 آنکھ نہ سوندوں کان نہ رو بندھوں،  
 کاپا کٹسٹ نہ دھاروں  
 کھلے نیں مئی ہنس ہنس دیکھوں،  
 سندر روپ نہاروں  
 کہوں سو نام سنوں سو سُجڑ،  
 حو کجہ کروں سو پوہا  
 گمراہ اداس ایٹ سم دیکھوں، بھاؤ مشاؤں دوحا  
 جہاں جہاں جاؤں، سوئی پر کرما،  
 حو کجہ کروں سو سیوا  
 حب سوؤں سم کروں دندوت، پوحوں اور بہ دیوا  
 شبہ برتر سوارانا، ملن بچن کا نیاگی  
 ، ٹیپ سٹیپ کہوں بہ ہسے ایسی ماری لاگی

کہیں کہیں یہ اُنس دبسی، سو پر گٹ کر گمانی  
 سکھ دکھ کے الٹ نیچے پریم سکھ تبھی میں رہا سمانی

\*

ترجمہ:

سنتو، سچ سادھی ہی بھلی ہے۔ جب سے محبوب مل گیا ہے میں نے کسی اور سے نہیں  
 انگائی ہے۔ نہ آنکھ بند کرتا ہوں نہ کان، نہ جسم و تکلیف پہنچاتا ہوں۔ کھلی آنکھوں سے  
 ہنس ہنس کر اس کے حسن کا جلوہ دیکھتا ہوں۔ جو بولتا ہوں وہ نام ہے، جو سنتا ہوں وہ  
 صبیح، جو کرتا ہوں وہ عبادت۔ میرے لیے گھر اور گلستان ایک سا ہے، دوئی باقی نہیں  
 ہے۔ میں جہاں بھی جاؤں وہ طواف شوق ہے اور جو کچھ کروں وہی اس کی خدمت  
 ہے۔ میری نیند میرا سجدہ ہے، میں کسی اور دیوتا کی پوجا نہیں کرتا۔ دل مسلسل اس کے  
 نام کا گیت گاتا ہے اور کوئی ناپاک لفظ زبان پر نہیں آتا۔ اٹھتے بیٹھتے اس کی یاد تازہ  
 رہتی ہے اور ساز کی لے نوئے نہیں پاتی۔ کبیر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل کی دیوانگی  
 کو ظاہر کر دیا ہے۔ میں انبساط کی اس منزل میں ہوں جہاں دکھ اور سکھ دونوں بے معنی  
 ہیں۔

حاشیہ:

سچ کے معنی ہیں فطری، بے ساختہ اور بے تکلف، اور کبیر نے انہیں معنوں میں سچ  
 سادھی کا استعمال کیا ہے۔ (دیکھیے اردو ص ۵)

بنگال کے باؤل (باؤل = دیوانہ) بھگتوں میں جو "تمام رواجی بندشوں سے آزاد ہوا  
 کی طرح مارے مارے پھرتے ہیں" (کے ایم سین) اور جنہوں نے اپنی عمارت بدھ  
 مت، تانترک اور دشنومت کے کھنڈروں پر کھڑی کی ہے، سچ سادھنا کا بہت حسین  
 تصور ملتا ہے۔

"میں اس لیے دیوانہ ہو گیا ہوں، میرے بھائی  
 کہ میں کسی رسم، کسی رواج، کسی مٹک کا پابند نہیں ہوں  
 انسانوں کے پیدا کیے ہوئے خرقے میرے لیے بے معنی ہیں  
 میں اپنے دل سے پیدا ہونے والی محبت کے سرور میں ڈوبا ہوا ہوں  
 محبت میں عمر اور فراق نہیں، وصال ہی وصال ہے  
 دل سے دل ملے رہتے ہیں  
 میں اس خوشی میں ناچتا گاتا رہتا ہوں  
 میں اس لیے دیوانہ سا ہو گیا ہوں میرے بھائی"

اردو کے شاعر میہ تقی میر نے انتہائی سرشاری کے ساتھ لکھ کو غزل کے دو مصرعوں میں  
 سمیٹ لیا ہے:

اس کا بحر حسن سراسر اوج موج و عظیم ہے  
 شوق کی اپنے نگاہ جہاں تک جاوے بس دکن رہے آج  
 تن پر ہاں بھتوں کا اصرار اتنا زیادہ ہے کہ وہ اپنی تحریک کی تاریخ بھی قلم بند کرنا  
 گوارا نہیں کرتے۔ اس کے سین نے اپنی گمیری کی کتاب "ہندوازم" میں ایک  
 دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے۔ جب انھوں نے مشرقی بنگال میں دریا کے کنارے بیٹھے  
 ہوئے ایک ہاٹل سے پوچھا کہ "آپ آٹنے والی فصلوں کے لیے اپنا تاریخی ریکارڈ  
 کیوں نہیں رکھتے؟" تو اس نے جواب دیا کہ "ہم سچی کے قائل ہیں اور اس لیے اپنے  
 پیچھے کوئی نقش قدم چھوڑنا ضروری نہیں سمجھتے۔" اس وقت دریا کا پانی تراہوا تھا اور کچھ  
 ماٹھی اپنی شیشی کی کچڑ میں کھینچ رہے تھے جس کی وجہ سے کچڑ میں نشان پڑ گئے تھے۔  
 ہاٹل نے ادھر اشارہ کر کے کہا کہ "یہ بھرے پانی میں تیرتی ہوئی ناؤ کوئی نشان  
 چھوڑتی ہے؟" صرف وہ ماٹھی جو اپنی مجبوری کی وجہ سے کچڑ میں ناؤ چلاتے ہیں نشان  
 چھوڑ جاتے ہیں۔ یہ تو سچی سچ ہے۔ اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ بھٹکتے کے اس

دھارے پر تیرتے رہیں جو بھگتوں کی اپنی زندگی سے پیدا ہوتا ہے اور پھر ایک دھارے کو دوسرے دھارے سے مدد دیں۔ باؤل باؤل ہیں اور کچھ بھی نہیں۔ وہ کسی طبقے، کسی ذات سے بھی آئیں ان کا کوئی اور کارنامہ نہیں ہے۔ سب دھارے گنگا میں مل کر گنگا بن جاتے ہیں۔“

جاپانی ٹرن مسٹ کا ایک واقعہ اس سے بھی زیادہ دلچسپ ہے۔ ایک محفل میں بہت سے ڈن جمع ہوئے۔ مقرر تقریر کرنے کے لیے کھڑا ہوا۔ اتنے میں ایک چیز آئی اور کھڑکی پر بیٹھ کر گانے لگی۔ مقرر نے اپنی تقریر شروع نہیں کی اور چیز کا گیت سنتا رہا۔ جب چیز کا گیت ختم کر کے اڑ گئی تو مقرر نے اعلان کیا کہ محفل ختم ہو گئی اور مجمع برخاست ہو گیا۔

غالب کے الفاظ میں اس کا نچوڑ یہ ہے کہ:

ہے رنگ الہ و گل و نسریں جدا جدا ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیے  
سر پاست شمع پہ چاہیے ہنگام بے خودی زو سوے قبلہ وقت مناجات چاہیے  
یعنی بہ حسب گردش بیاتہ صفات عارف ہمیشہ مست سے ذات چاہیے  
اور سچ کے بے ساختہ پن کو اقبال نے اس طرح ادا کیا

نہ چو ختم در این بستان مراد دل  
ز بند این و آں آزادہ رستم  
چو باد صبح گرد عیم دے چند  
گلاں را آب و رنگے دادہ رستم

(ترجمہ میں نے اس رنگ اور بو سے بھری ہوئی دنیا سے دل نہیں لگایا۔ میں ایسے  
ایسے بندھنوں سے ہمیشہ آزاد رہا۔ صبح کی ہوا کی طرح میں اس چمن میں توپا اور  
پھولوں کو رنگ اور حسن دے کر چلا گیا۔)



تیرتھ میں تو سب پانی ہے،  
 ہووے نہیں کچھ، انہائے دیکھا  
 ہر نما سکل تو جڑ ہیں بھائی،  
 بولیں نہیں بولائے دیکھا  
 پُران کران سے بات ہے،  
 یا گھٹ کا پردہ کھول دیکھا  
 اُنہو کی بات کبیر کہیں یہ،  
 سب ہے جھوٹی بول دیکھا

✽

ترجمہ:

تیرتھ میں تو سب پانی ہی پانی ہے، میں نے نہا کے دیکھا ہے اس سے کچھ بھی نہیں  
 ہوگا۔ ساری مورتیاں بے جان ہیں، میں نے آواز رسے کے دیکھا ہے کوئی جواب نہیں  
 ملتا۔ پُران اور قرآن سب لفظ ہی لفظ ہیں، میں اپنے وجود کا پردہ اٹھ کر دیکھ چکا  
 ہوں۔ کبیر تو صرف تجربے کی بات کرتے ہیں (انہو = تجربہ، گیان = عرفان) پانی  
 سب جھوٹی باتیں ہیں۔ میں نے ان کی پول دیکھ لی ہے۔

حاشیہ:

صوفیوں اور سنتوں نے علم اور عقل پر عشق کو ترجیح دی ہے۔ اس کے یہاں باطنی عرفان (انتر گیان) اصل عبادت ہے اور عرفان ظاہری عبادت اور اس کے رسوم و قیود کو بے کار کر دیتا ہے۔ اس کا سماجی پہلو یہ ہے کہ مولوی، پروہت اور ظاہری مذہب نے علم اور عقل پر قبضہ کر رکھا تھا۔ انتر گیان اور باطنی عرفان اس اجارہ داری کو توڑ دیتے ہیں اور خدا اور بھگوان کو عام انسانوں تک پہنچا دیتے ہیں۔

ہاں بیج بین ہاںسی  
 موسیٰ سن سن آوے ہاںسی  
 گھر میں وٹ نجر نہی آوت  
 ہی بن پھرت آداسی  
 آنم گیان بنا حک جیونٹھا  
 کیا متھرا کیا کاسی



ترجمہ:

پانی میں چھٹی پانی ہے۔ یہ سن کر مجھے ہنسی آ جاتی ہے۔ گھر ہی میں رکھی ہوئی چیز نظر نہیں آتی (اور اس کی تلاش میں) جنگل جنگل اور اس پھر رہے ہیں۔ اگر آتم گیان (خوشی، حیرت روت) نہ ہو تو چاہے متھرا جاؤ چاہے کاشی، یہ دنیا صوفی ہی نظر آئے گی۔ (بھگوت گیتہ استخوانوں میں نہیں ہے، انسان کے وجود میں ہے۔)

(۴۴)

گنگن مٹھ گیب نسان اُڑے  
چندر ہار چندوا جہاں تالکے، مکتا مالک مڑھے  
بہما ناس دیکھ میں نہر کر، روسس حوت جڑے  
کبیر کبیر پیے حوئی جس، مانا پھرت سرے

❦

ترجمہ:

آسمان کے مندر پر فیب کا پرچم لہرا رہا ہے جس کو چاند نے چندر ہار اور ستاروں نے  
جواہرات سے سجایا ہے۔ اس عظیم نگارے کو دیکھ کر روح و دل کا سکون حاصل کرو جس  
میں چاند اور سورج روشن ہیں۔ کبیر کہتے ہیں کہ جس نے یہ شراب پی لی وہ مست ہو گیا۔

حاشیہ:

نظم ۷۱ کے پہلے تین بندوں میں بھی کبیر نے چاند، سورج اور ستاروں کے جمال و  
جمال کو اس نور مطلق کی نشانی سمجھا ہے جس سے ساری کائنات بھری ہوئی ہے۔ اس  
سنت شاعر نے بار بار خدا کو نور سے تعبیر کیا ہے۔ یہ خیال کبیر کا اسلامی ورثہ ہے۔ اللہ  
یور السموات والارض (قرآن حکیم) یعنی اللہ آسمانوں کا اور زمین کا نور ہے۔

سادھو، کو پیے کہاں سے آہو

بہی کے میں دھوں کہاں سمت سے، کو دھوں باج بجایو  
 ہاٹ سرو الگ کاتھیسی سی، کو دھوں ڈھلک حگایو  
 ہو گ کھٹ سج یں وا کو، کہو دھوں کہاں سمايو  
 اے اہر بار کچو ناہیں، ست گرو جھیں لکھایو  
 کہیں کسر جیہی سو جو سو جو جس، نبی س آج سادیو

\*

ترجمہ:

سادیو، تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو؟ دو ارفع اور اعلیٰ کہاں رہتا ہے؟ اور وہ کائنات کو  
 کیسا بنائی رہا ہے؟ آگ نکڑی میں چھپی ہوتی ہے، پھر اسے کون جگا دیتا ہے؟ جب  
 نکڑی جل کر خاک ہو جاتی ہے تو آگ کہاں چلی جاتی ہے؟ جنھوں نے ست گرو کو  
 دیکھ لیا ہے ان کے لیے پارا پار (محدود و لامحدود) کچھ بھی نہیں۔ کیر کہتے ہیں کہ جس کی  
 سادھو بدتمیز بھی ہوتی ہے اس کو ویسی ہی بات میں نے آج سنائی ہے۔

(۴۶)

سادھو مسہجے گایا سودھو

جیسے ہٹ کا بیج ناہی میں بر پھول پھل جھانا

کابا مڈھے بیج تراجے، بیجا مڈھے گایا

اگس ہوں پسی بر نہی سہ، ناہی ملے ناہی

کاحی ہڈت کرو برٹے کو نہ آہا ماہی

جل بھر کسبہ حمے بج دھریا، باہر بیتر سوئی

اُن کو نام کہیں کو ناہی، دوحا دھو کھا ہوئی

کہیں کسیر سو بھانی سادھو، ستیہ شند بھ سارا

آہا مڈھے آہی ہوئے آہی سر جس جارا

❦

ترجمہ:

سادھو، جسم کی پاکیزگی بہت آسان ہے۔ جیسے بیڑ کے بیج میں پھول، پتیاں، پھل اور

سایہ چھپا ہے ویسے ہی جسم کے اندر بیج ہے اور بیج کے اندر جسم۔ اس کے بغیر آگ،

ہوا، پانی، زمین، آسمان، کچھ نہیں مل سکتا۔ قاضی اور پنڈت ذرا غور کریں کہ آپ

(وجو) کے اندر کیا نہیں ہے۔ پانی سے بھرا گھڑا پانی میں رکھا ہے۔ اس کے اندر بھی

پائی ہے اور ہمارے بھی پائی۔ اس کو کوئی نام دینا غلطی ہے۔ اس سے دوئی کا دھوکا ہوتا ہے۔ بھائی صاحب سنو، کیسے کہتے ہیں کہ صرف صداقت ہی اصل روح ہے۔ اپنے وجود کے اندر وہ خود ہی دس رہا ہے، وہ جو خود وجود ہے اور خود خالق ہے۔

حاشیہ:

مشہور قدیم فارسی شاعر ابو سعید اہل خیر نے ایک رباعی میں کہا ہے  
 ہندو سید کے منزل آن مہر غسل  
 گفتم کہ دل من است او را منزل  
 گفتا کہ دولت کجاست گفتم ہر او  
 ہندو کہ او کجاست گفتم در دل

(ترجمہ: اسی سے پوچھا کہ اس مہر غسل کی منزل کہاں ہے۔ میں نے کہا میرے دل میں۔ پوچھا تو دل کہاں ہے۔ میں نے کہا اس کے پاس۔ پوچھا وہ کہاں ہے۔ میں نے کہا میرے دل میں۔)

ایک اور فارسی شعر:

خود و خود، خود و خود، خود و خود، خود و خود، خود و خود  
 خود بر سر آن کوزہ خریدار برآمد، بشکست و رواں شد

(ترجمہ: خود ہی خود، خود ہی خود، خود ہی خود، خود ہی خود، خود ہی خود سے کوزہ بنتا ہے اور خود ہی اس سے میں شراب پیتا ہوں۔ میرے وہ خود، اس کو اسے کا خریدار بن کر خود پہنچاتا ہے اور اسے وہ تازہ پھل دیتا ہے روئی)

(۴۷)

ترور ایک نول بن ٹھاڑھا، بن بھولے بھل لا گئے  
 سا کھا پتر کچھو سہیں نا گئے، سکل کمل دل گماھے  
 جڑہ ترور دو پہجھی ہوائے، ایک گرو ایک جیلا  
 جیلا رہا سورس جی گما، گرو برنتر کھیلا  
 پہجھی کئے کھوج اگم ہر گٹ، کہیں کسر بڑی بھاری  
 سب ہی سورت بیج امورت، سورت کی بھاری

❖

ترجمہ:

ایک درخت ہے کہ بغیر جز کے کھڑا ہوا ہے اور بغیر پھول کے پھل دے رہا ہے۔ اس  
 میں شائیں ہیں نہ پٹیاں۔ وہ سارے کا سارا کنول ہے۔ اس پر بیٹھے ہوئے وہ پہچھی  
 بول رہے ہیں۔ ایک گرو اور ایک چیل۔ چیل جن جن کے ریلے پھل کھا رہا ہے اور گرو  
 خوش ہو کر دیکھ رہا ہے۔ کیر کہتے ہیں کہ اس کا سمجھا دشوار ہے کہ پہچھی تلاش کی حدوں  
 سے باہر ہے، پھر بھی صاف دکھائی دے رہا ہے۔ ہر سورت (شکل) کے اندر امورت  
 (بے شکل) ہے۔ ہر سورت پر قربان جائے۔



## حاشیہ:

یہاں درخت سے مراد دنیا ہے لیکن اسے بغیر جڑ کا وجود اس لیے کہا ہے کہ وہ مایا کی تخلیق ہے، محض دام دنیاں۔ مگر پیلے (آتمن، جیو) کے ساتھ گرد (برہمن، وجود مطلق) بھی موجود ہے۔ جیو تو اس چھتے یعنی دنیا کو برتے اور بھونکنے میں مصروف ہے اور بسواں یہ وجود مطلق تر نہیں میں، یعنی اپنی لیا دکھا رہا ہے اور خوش ہو رہا ہے۔ اس علم کی ابتدا میں جو ایک ایک معلوم ہوتے ہیں وہ آخر میں ایک ہو جاتے ہیں۔ سے شکل (گرد = ات مطلق) ہر شکل (جیو = فرد) کے اندر موجود ہے، اس لیے دنیاوی شکلوں ہی پر قیاس ہو جانے کوئی چاہتا ہے۔ شیخ سعدی کے الفاظ میں "عاشقم برہمہ عالم کہ عالم را دوست" یعنی میں ساری، یا پر عاشق ہوں کیوں کہ ساری دنیا اسی سے ہے۔ صوفیوں کی زبان میں "کو" سز تو مید (ایک پن کا بھید) کہتے ہیں۔ حقیقت کی خارجی شکل انسان ہے اور وہ حقیقت کی داخلی شکل خدا کے ساتھ ایک ہے۔ صوفی اپنی خودی کے قریب سے شکل گرد، ات مطلق میں غرق یا فنا ہو جاتا ہے۔ پھر اس کو ہر شکل میں وسیت کی تصویر مانی دینے لگتی ہے۔ وہ تاروی ہے۔ اس کو "حقیقت در حقیقت مرآتہ" (یعنی حقیقت حقیقت میں ڈوب گئی) کہا ہے۔

(۴۸)

چلت منسا اچل کسہی، مس ہوارنگی  
 تنو میں نہہ تنو درسا، سنگ میں سنگی  
 بندہ ہے بر بندہ کسہا، نوڑ سب سنگی  
 کسہیں کسرا گم گم کسہا، ہریم رنگ رنگی

✽

ترجمہ:

میں نے اپنی بے چین روح کا سکون حاصل کر لیا ہے اور اب میرا دل ایسے رنگ میں  
 ڈوب گیا ہے کہ میں نے تو (= ساکار = شغل) میں نہ تو (= نراکار = بے شغل) کو  
 دیکھ یا ہے اور وصال میں محبوب کو حاصل کر لیا ہے۔ میں عاقبت کی بندشوں سے آزاد ہو  
 گیا ہوں اور میں نے تنگ حدود کو توڑ دیا ہے۔ کبیر کہتے ہیں کہ میں نے ناقابل  
 حصول کو حاصل کر لیا ہے اور میرا دل محبت کے رنگوں سے رنگین ہو گیا ہے۔

جو دسے سو نو چے ماہیں، مے سو کھا نہ حانی  
 مں دیکھے پر بہت نہ اوے، کسے نہ کو پندا  
 سحیا ہوئے سو خندے جسے، اجرح ہوئے انا  
 کوئی دھوے ترا کر کو، کوئی دھواوے آ کر  
 دودھ اس دوہوں مں سارا، حانی حاس بارا  
 وہ راگ مو لکھا نہ حانی، مہرا لگے نہ کنا  
 کسے کسیر سو بڑھے نہ پرے، سترت سرت حنی حانا

❖

ترجمہ:

جو اٹھاتی رہتا ہے وہ سے نہیں اور جو ہے وہیوں سے باہر ہے۔ بغیر دیکھے یقین نہیں آتا  
 اور جو یقین کیا جائے وہ قابل اعتبار نہیں۔ صرف عارف غفلوں کو پہچان سکتا ہے اور  
 نے حواس نہیں دیتے اس ہے۔ کوئی تو ترا کار (بے شکل) کا دھیان کرتا ہے اور کوئی  
 آکار (شکل) کا، لیکن صرف جاننے والے (عارف) یہ جانتے ہیں کہ ہر دم دونوں  
 نے پرک ہے۔ ووراک ہے جو آنکھوں سے دیکھا نہیں جاسکتا اور اس کی مہارتیں  
 (تواریں، زیر و مر) کاٹوں کو سانی نہیں دیتیں۔ کبیر کہتے ہیں کہ جس نے پریم اور  
 یہ آک دونوں کا اپنا پیا ہے اسے موت سے نجات مل گئی۔

(۵۰)

مُری نہت اکھنڈ سدا سے ، نہاں پریم جھنکارا سے  
 پریم حد تھی جب نہانی ، ست لوک کی حد نہی آئی  
 اٹھت سگندہ سہا ادھکانی ، جا کو وار نہ پارا سے  
 کوٹ بہاں راگ کو روہا ، ہیں ست دھن بحے انویا

❖

ترجمہ:

ابدیت کا ساز ہمیشہ سے بچ رہا ہے اور عشق اس کی جھنکار ہے۔ جب انسان عشق کی  
 تمام حدوں سے باہر آ جاتا ہے تب عالم صداقت (ست لوک) کی حدوں میں داخل  
 ہوتا ہے۔ خوشبو کا پھیلتا ہوا دامن بے کنار ہے۔ اس کا کوئی اور مچور نہیں ہے۔ یہ راگ  
 کروڑوں آفتابوں کی شکل اختیار کر رہا ہے۔ صداقت کی دینا کی ذہن رانی ہے۔

سکھو! ہم بچوں بھنی دلماسی  
 سو ہو میں سرہ سدا ہو! اب میں گناں گئی انجلاسی  
 گناں گئی میں کوسر میں گئی، بجسی میں پیا کی باسی  
 و اباسی میں اکہ سدا ہو! اب ہم سرے کو نہ ڈرانسی  
 کہیں کسر سدا دلماسی بدارے، سر پانے، اباسی



ترجمہ:

سکھو! میں اپنے دلمے سے شے کے لیے سب قرار ہوں۔ جو من چڑھ رہا ہے اور جدائی  
 ستارتی ہے۔ میں گناں کی گلی میں اخلاقی پھر رہی ہوں۔ مجھے گیان کی گلی میں اس کی  
 شرط مل گئی ہے۔ دلمہ چپچپ میرے ہاتھ آ رہا ہے اور اس میں ایک یہ سندیر ہے جسے میں  
 سہ میں ملتی، مگر اب میرے ہاتھ نہیں ملتا۔ پیارے بھائی سنو، کبیر کہتے ہیں کہ مجھے  
 دانی پر تیم (پر شوہر) ملتا ہے۔

حاشیہ:

سودھوں کے نزدیک بھی موت وصال محبوب ہے۔ اس کی زیادہ ترقی یافتہ شکل فطرت

سے ہم آہنگی ہے۔ جس نے اردو کے کلاسیکی شعرا کے یہاں بڑی خوبصورت شکل اختیار کی ہے۔ میر کہتے ہیں:

رنگ گل و بوے گل، ہوتے ہیں رواں دونوں  
کیا قافلہ جاتا ہے، تو بھی جو چلا چاہے

پھر نہ کچھ دیکھا بجز یک شعلہ نہ چچ و تاب  
شع یک تو ہم نے دیکھا تھا کہ پروانہ گیا

سانیں بن دزد گریجے ہوئے  
 در سہیں جی رات سہی سدا، کسے کہوں د کد ہوئے  
 آدھی رات بچھنے پہر وا، سانیں سدا ترس رسی سوئے  
 کہت کہہ سو بھانی پیارے، سانیں ملے سکے ہوئے

※

ترجمہ:

سانیں (محبوب) نہیں ہے تو کھینے میں درد اٹھتا ہے۔ دن کو چیں نہیں، رات کو نیند  
 نہیں، آخر میں اپنا دکھ اس سے کہوں۔ آدھی رات ہو یا پچھلا پہر، محبوب کے بغیر ایک  
 نیند کے بے ترس رہی ہوں۔ سو پیارے بھائی، کبیر کہتے ہیں کہ محبوب ملے تو چمن  
 آئے۔

(۵۳)

کون مری شہد شن آند بھو  
جوت برے بن باتی  
بنا مول کے کمل برگٹ بھو  
بھلوا بھلت بھانت بھانتی  
جیسے چکور چندرما جتوے  
جیسے چانرک سوانتی  
نیسے سنت سرت کے بوکے  
بو گئے جسم سنگھاتی



ترجمہ:

یہ کیسی مری نک رہی ہے جسے سن کر سرشار ہو گیا ہوں۔ نئی نہیں ہے لیکن چراغ جل رہا  
ہے، جڑ نہیں ہے لیکن کنول کھل رہا ہے، رنگ برنگے پھول فس رہے ہیں۔ جیسے چکور  
چاند کو لگا مار لگتا رہتا ہے اور چائیک (چپیا) سوانتی کی ایک بوند کی امید لگائے رہتا  
ہے اسی طرح اس کے پریم (سرت) میں میرا سنتوں سے عمر بھر کا ساتھ ہو گیا ہے۔



کیا سہیں ڈھل کی کونرا اسہد کا سدا ساجنا  
 رس مندہ مندہ باجنا، ہاہر سننے تو کیا ہوا  
 اٹ پرچہ رس جا کیا سہیں، عملی ہوا تو کیا ہوا  
 کاہی کیا سہیں کیوچا، کرنا شیعہ اور کو  
 معوم سہیں اس حال سے، کاہی ہوا تو کیا ہوا  
 خوگی دگمبر سبوزا، کیڑا رنگے رنگ لال سے  
 واک سہیں اس رنگ سے، کیڑا رنگے سے کیا ہوا  
 مندہ حیرو کیا راؤنی، گل چمن میں رہے سدا  
 کہنے کیرا سیں صحیح، ہر دم میں صاحب دم رہا



ترجمہ:

ابدیت کا سار نہا رہا ہے لیکن تجھے اس کی ذہن کی خبر نہیں ہے۔ مسرت کا یہ نغمہ خود  
 مندہ (وجود = گھٹ) کے اندر گونج رہا ہے۔ اس کو مندہ کے باہر آ کر سننے سے کیا  
 ہمد۔ اگر پریم رس نہیں چمکا ہے (حلق کا جام نہیں پیا ہے) تو اوپری غل (روزہ،  
 نماز، پوجا پاٹ) سے تھو نہیں ہو سکتا۔ قاضی کتابیں ڈھونڈتا پھرتا ہے، اوروں کو نصیحت

کرتا ہے لیکن وہ محرم راز نہیں ہے تو صرف قاضی ہونے سے کیا فائدہ۔ جوگی اپنے  
 کپڑے لال رنگ سے رنگتے ہیں لیکن اگر وہ محبت کے رنگ سے واقف نہیں تو  
 کپڑے رنگنے سے کیا ہوگا۔ مندر میں بیٹھتا، تھروکوں میں جھانکتا، پھولوں کے باغ  
 میں میر کرتا ہے سود ہے۔ کیر صحیح کہتے ہیں کہ صاحب (بھگوان، برہم) تو ہر سانس  
 میں رچا اور رہا ہوا ہے۔

بھکت کا مارگ جھینارے

اجاہ نہیں جابنا، چرلن لولینارے

سادھن کیے رس دھار میں، رہے سن در سوہارے

راگ میں شربت ایسے سے، جسے حل بیٹارے

مٹائیں سبوں میں دس سر، کچنہ بلم، کسارے

کھپیں کبیر مہت بھکسی کا، پرگٹ کر دہارے

❦

ترجمہ:

بھکت (جو ہے حق) کا راستہ باریک ہے۔ وہاں چاہتا ورنہ چاہتا بے کار ہے۔ صرف

مالک کے قدموں پر مار سوجانا ہی سب کچھ ہے۔ وہاں بھکت اپنی سادھن کی رس دھار

میں ہر وقت باہر رہتا ہے۔ اس کے راک میں محبت کی رہتی اور یہی ہوئی ہے جیسے

چھٹی پانی میں تیرتی ہے۔ دوسائیں (حق) کی سیوا میں اپنا سر دے دیتا ہے۔ کبیر کہتے

ہیں کہ میں نے اس بھکتی کے راز کو ظاہر کر دیا ہے۔

بھائی، کوئی سب گروست کھاوے

نبی لکھ لکھاوے

پراں بوجہ کر پائے پیارا، سہج سادہ کھاوے

ڈوار نہ رُو دھے ہوں نہ روکے، نہیں بھو کھنڈ تجاوے

بہ میں جائے بہاں لگ جب ہی پرمانم درساوے

کرم کرمے سہ کرم رہے جو، ایسی خُگت لکھاوے

سدا ولاں تواس نہیں تی میں، بھوگ میں جوگ جگاوے

دھرنی، پانی، آکاش، ہوں میں، ادھر سڈیا جیاوے

سُں سکھر کے سار سلا پر، اُس اجل جھاوے

بھینر رہا سو بھر دیکھے، دوحا درشت نہ اوے

✽

ترجمہ:

بھائی، ست گروست (اصلی سادھو) وہ ہے جو آنکھوں کو نہ دکھائی دینے والے کا نظارہ  
کراتا ہے۔ جو بخبری پوجا پاٹ سے بے نیاز کر کے کج سادھی سکھاتا ہے۔ دروازے  
بند کر کے نہیں بیعت، سانس روکنے کی مشق نہیں کرتا، دنیا کو تچ دینے کا سبق نہیں دیتا۔

من جب اس منزل پر پہنچتا ہے تب ہی پرہیز کا درشن ہوتا ہے۔ وہ گرو ایہ راستہ دکھاتا ہے جس میں عمل کرنے کے بعد بھی انسان نتیجے سے بے نیاز رہتا ہے۔ وہاں لذت ہی لذت ہے اور تن کی تکلیف نہیں ہے۔ دنیا کی نعمتوں کا لطف بھی ہے اور بھگوان سے لو لگانے کا مزہ بھی۔ دھرتی ہو یا پانی، آکاش ہو یا ہوا، ہر جگہ معبود کا اصل مقام ہے۔ وہ شونیہ (آسمان، خلا) کی چوٹی پر، حقیقت کی چٹان پر، اپنا آسن جماتا ہے۔ جو اندر ہے وہی باہر ہے، دوسرا کوئی نظارہ نہیں ہے۔

حاشیہ

توحید کی طرح ایسا مبالغہ بھی اسلام کی بنیاد ہے۔ اس نعم کا پہلا مصرع اس خیال سے قریب ہے۔ کبیر کی شاعری میں دوسرے مقامات پر غیب کا غلط بار بار آیا ہے۔

### سادھو شبد سادھنا کیجے

جیے بی شبدے ہر گٹ بونے سب، سونی شبد گپہ لیجے  
 شبد گرو شبد سنی سکھ بونے، شبد سویرا سوچے  
 سونی شبن سونی گرو سہاتم، حبیبی اسر گب سوچے  
 شبدے وید پوران کہت ہی، شبدے سب نھراوے  
 شبدے شرن سنی سمیت کہت ہی، شبد بھد سہی پاوے  
 شبدے سنی سنی بھتن دھرت ہی، شبدے کہے آراگی  
 شبت درشن سب شبد کہت ہی، شبد کہے سراجی  
 شبدے گابا جگ ایسانی، شبدے کیر پسانا  
 کہیں کیر جہان شبد ہووے، بیوں بھد سے سارا

❖

### ترجمہ:

سادھو، شبد سادھنا کرو (غظ پر ریاض کرو) جس شبد سے سب کچھ ظاہر ہوا ہے (تخلیق  
 کائنات ہوئی ہے) اسی شبد کو حاصل کرلو۔ شبد ہی گرو ہے جسے سن کر ہم چلے بنے ہیں  
 اور اس شبد کے سمجھنے والے بہت کم لوگ ہیں۔ جو دل کی کیفیت (مرم - راز دروں)

جانتا ہے وہی چیتا ہے اور وہی گرد۔ وید اور مہان بھی شہد ہی کا ذکر کرتے ہیں اور شہد ہی سے یہ دنیا قائم ہے۔ رشی اور رشی سب شہد ہی بول رہے ہیں لیکن شہد کا بھید نہیں ملتا۔ شہد ہی سن سن کر آدمی فقیر بنتا ہے اور شہد ہی کہہ کر وہ محبوب سے لٹکتا ہے۔ چھ فلسفے شہد ہی کا بیان کر رہے ہیں اور ہر ایک لینے والے بھی شہد ہی کو دہراتے ہیں۔ شہد ہی سے دنیا کا ظہور ہوا ہے اور یہ کائنات شہد ہی کا پھیلاؤ ہے۔ کبیر کہتے ہیں کہ جہاں شہد ہے، میں زندگی اور کائنات کا عجیب و غریب راز مضمر ہے۔

حی شہید  
دلچسپ مکر۔

یہی لیے پیالہ، ہو متوالا  
 پیالہ نام امی رس کارے  
 کہیں کہیں سنو بھائی سادھو  
 نکلے بیکھ نور رہا ویش کارے

❖

ترجمہ:

پیالہ پی کے متوال ہو جا، یہ وہ پیالہ ہے جس میں اس کے نام کا امرت چھلک رہا ہے۔  
 سنو بھائی سادھو، کبیر کہتے ہیں کہ تم نے سر سے پاؤں تک اپنے وجود کو زہر سے کیوں  
 بھر رکھا ہے۔



کہہ ۛ جیسے دوری، ک کرت رانی  
 اس لگر ۛ ہونیں گے، جیوزو جنرائی  
 سا گبی سید سید سن بڑہ سب جیو بھانی  
 سار یریم کجھ اور ہے، کھوجا سو پائی

\*

ترجمہ:

اپنے ہمسہ تو پہچانتی نہیں ہے باولی، اپنی بڑائی یہ کر رہی ہے۔ یہ چا کی چھوڑو، خالی  
 باتیں بتانے سے محبوب باتیں نہیں آئے گا۔ اس پرست اترائ کہ تم نے غفلتوں کا پیغام  
 (شہ سندیں) نہ ہے (کتا میں پڑھی ہیں)، یہ کچھ دوری چیز ہے۔ جو اس کو تلاش کرتا  
 ہے وہی اس کو پاتا ہے۔

(۶۰)

سکھ بسدہ کی سیر کا شواد تب پانی ہے  
چاہ کا جوترا بھول جاوے

بیچ کے مانہی حسوں بیچ و سار یوں  
چاہ کے مانہی سب روگ آوے

❦

ترجمہ:

سکھ ساگر کی سیر کا مزہ تو تب ملے گا جب آرزو کے چبوترے پر (آرام سے) بیٹھنے کا  
خیال فراموش ہو جائے گا۔ جیسے بیچ کے اندر بیچ کا پھیلاؤ (درخت) چھپا ہوا ہے، اسی  
طرح آرزو کے اندر ساری تپاریوں، ساری تکلیفوں کی جڑ ہے۔

حاشیہ:

میر تقی میر کہتے ہیں:

مراپا آرزو ہونے نے بندہ کر دیا ہم کو  
وگر نہ ہم خدا تھے گرد لبے مدعا ہوتے

شکوہ سا گر میں آنے کیے، ستھارے پیاسا  
 اج ہوں سسٹھو برنارے، جم کرب براہ  
 برہن برہن کے سرے آگئے، ہی لے سواسو سواسا  
 مرگ برسا حل جواڑ نارے، کرو سندھارس آسا  
 دھرو پر بلا د شکوہو پیا، اور ہیا رہدا سا  
 برہن ہی سب سدا منوالا، ایک پریم کی اس  
 کہیں کبیر سو نہانی سادھو، ست گئی بھنے کی ساسا



ترجمہ:

ارے، سکھ سا کر میں آ کر پیاسا دلہن مت جا۔ اے بے وقوف (بادارے = بادلے =  
 پاگل)، اب بھی بوش میں آ جا، موت تیرا پیچھا کر رہی ہے۔ تیرے سامنے صاف  
 طواف پانی بہ رہا ہے۔ برہمن کے ساتھ اسے پی جا۔ سراپ کو ترک کر دے  
 اور آب حیات (سندھارس = بھگوان سے پریم) کی پیاس پیدا کر۔ یہ پانی دھرو، پر بلا د،  
 قند پو، راب اس سب نے پیا ہے۔ تمام سنت سادھو پریم ہی کے متوالے ہیں اور پریم  
 ہی کے پیا ہے۔ منو بھٹی سادھو، کبیر کہتے ہیں کہ اب خوف کا شیانہ اُجڑ گیا ہے۔

(۶۲)

سنى ڪو ڪون سگھائو ٿا هجي  
سنگ سوامي ڪي ٿن جار ٿا هجي  
برهم ڪو ڪون سگھائو ٿا هجي  
تياگ سانهي بهوگ ڪا پاو ٿا هجي  
\*

ترجمہ:

اپنے سوامي ڪي ساٿه آگ ۾ جلا ستي ڪو ڪون سگھ ٿا هجي۔ عشق ڪو ڪون سگھ ٿا هجي ڪر  
ترڪ بي ۾ لذت هجي (بجر بي ۾ وصال هجي)۔

اے من، دھیرج کا ہے نہ دھرم  
 ہنسو، بھجیں، خو، کٹ، پسگ، سب کی سندہ کرے  
 ٹرچ نام میں کھوہ سٹ ہے ماہر کیوں سمیے  
 من بڑ ہنس سے صاحب کے ہونکے کا ہے پتھرے  
 برسہ جھارا اور کیو دھارے، کدراج ات نہ سے



ترجمہ:

اے من، میری کیوں نہیں، جاتا (بھر اور قنعت کیوں نہیں کرتا)۔ او جو  
 جانوروں، چیزوں، لینے والوں اور پتھروں تک کی خبر گیری کرتا ہے، جس نے ماں کے پیٹ  
 میں تیری نگہانی کی ہے، یہ سوئے ہے، جھٹھے کیوں بھولے گا۔ اے میرے من، تو  
 اپنے صاحب کی مسرامت کو چھوڑ کر کہاں، جھٹکا پھر رہا ہے، اپنے محبوب کو چھوڑ کر کسی  
 اور عیب کر رہا ہے۔ اس طرح تو ایسے بھی کام نہیں ہے گا۔

سانئیں سے لگن کشن ہر بھائی  
 جسے پیہا پسا پسا دیک، پسا ہمارے دانی  
 پیاسے پران ٹڑھنے دن راسی، اور پیرا سانی  
 جسے مرگ شبد سبھی، شبد مس کو حانی  
 شبد اوپر پران دار دے، تنکو سادہ ڈرانی  
 جسے سنی جڑعی سب اور، بار کی راہ میں پانی  
 پاوک دیکھ دے وہ نہیں، ہست سنے سدا مانی  
 جوڑو تن اہے کی آسا، سوجھے وھے کی گانی  
 کہت کبیر سو بھائی سادہ، ناہیں سو ہم سانی

❖

ترجمہ:

بھائی، سانئیں سے لگن گنا بہت دشوار ہے۔ جیسے سوانی کی ہونڈ کا پیاسا بھہا پسا پسا کی  
 رٹ لگاتا ہے اور اس کی پی سی روت دن رات تڑپتی ہے لیکن دوسرا پانی اسے پسہ نہیں  
 آتا۔ جیسے ٹکیت کا عاشق مرن ٹکیت سننے چلا جاتا ہے اور ٹکیت سننے سننے جان دے  
 دیتا ہے لیکن ڈر کر پیچھے نہیں ہٹتا۔ جیسے سنی اپنے شوہر کی رٹ کے ساتھ جھنے کو بیٹھ جاتی

ہے، تاہم کوہکے کر ذرتی نہیں، اسی طرح تم بھی اپنے جسم کی فکر چھوڑ کر بے خوف ہو کر  
اس کے گس گاؤں سنو بھائی سا، جو کبیر کہتے ہیں کہ نہیں تو تمہاری زندگی بے کار ہے۔

جب میں بھولا رہے بھائی  
 میرے سب گرو جگت لکھانی  
 کرپ کرم اجار چھاڑا، چھاڑا نرو کھاما  
 سنگری دبا بھنی سیاسی، میں ہی الٹ پوراما  
 نا میں خانوں سیوا بند کی، نا میں گوٹ بھانی  
 نا میں سورب دھری مسکھامس، نا میں پھسپ جڑ بھانی  
 نا بھری ریتھیں حب نب کسہس، نا کبا کے خارے  
 نا بھری ریتھیں دھوسی، جوبڑے، نا پاجوں کے مارے  
 دب را کو دھرم کو پڑے، جگ سوں رہے اداسی  
 اپنا سہا جو سب کو خارے، ناہ ملے اونیسی  
 سنہے کشید باد کو پیا گئے، چھاڑے گرو گھا  
 سنٹ، ناہی کو مدبھے، کہے کسر سٹھا

✽

ترجمہ:

میرے بھائی، مجھ سے جب بھول ہوئی تو میرے ست گرو، نے میری رہنمائی کی۔ میں



سنے فطہری عبادت کو ترک کر دیا، حیرت انگیز اشیاں بھی چھوڑ دیا۔ ساری دنیا سیانی ہو گئی،  
 ایک میں ہی دنیا نے قرار پایا۔ نہ تو میں بندگی جانتا ہوں، نہ گھٹنہ بجاتا ہوں، نہ میں  
 سنگھ میں پر صورت بناتا ہوں اور نہ اس پر پھول چڑھاتا ہوں۔ جاپ اور تپہ کرنے  
 سے بڑی نہیں رہتی تھی اور نہ جسم کو جلانے سے راضی ہوتا ہے۔ کپڑے اتار دینے سے اور  
 پانچوں حواس کو قتل کر دینے سے بڑی کی خوشبودی حاصل نہیں ہوتی۔ جس کے دل میں  
 رجم ہے، جو متقی اور پرہیزگار ہے، جو دنیا میں رہ کر دنیا سے اداس (بے نیاز) رہتا ہے  
 اور دنیا کے ہر وی حیات کو اپنی طرف جاتا ہے، اس کو لافانی (بھٹوان) مہا ہے۔ ست  
 کروا ہی کو ملتے ہیں۔ سیر دانش مند ہیں اور کہتے ہیں کہ ست نام صرف اس کو ملتا ہے  
 جو گایاں کھاتی ہے اور فرد کو تک کر دیتا ہے۔

سر نارنگائے رنگائے جوگی کبڑا  
 آسن مار مندر میں بیٹھے  
 برہم جھال ہو جن لاگے ہتھرا  
 کنوا پھڑائے جنوا بڑھولے  
 داڑھی بڑھائے جوگی ہونے گیلے ہکرا  
 جنگل جائے جوگی ڈھیار مولے  
 کام جرائے جوگی ہونے گیلے بحر  
 منہوا سزائے جوگی کبڑا رنگولے  
 گیتا بانج کے ہونے گیلے لہرا  
 کہیں کبیر سنو بھائی سادھو  
 جم درو جوا باندھل جیبے ہکڑا  
 ❀

ترجمہ:

جوگی کے من میں تو پریم کا رنگ ہے نہیں، اس نے صرف کپڑے رنگوالے ہیں۔ آسن  
 مار کر مندر میں بیٹھ گیا ہے اور برہم کو چھوڑ کر پتھر کی پوجا کر رہا ہے۔ اس نے اپنے کان

چیر کر کنڈل پہن سے ہیں، بال لیے کر لیے ہیں اور داڑھی بڑھا کر بکرا بن گیا ہے۔  
 جوگی جنگل میں جا کر، جوفی رہا رہا ہے اور خواہشوں کو مار کر بھڑا ہو گیا ہے۔ سر منڈا کر  
 جوگی نے کپڑے رنگ لیے ہیں اور نیت پڑھ کر باتیں بتا رہا ہے۔ سنو بھائی سادھو، کبیر  
 کہتے ہیں کہ اس طرح تو باتھ پاؤں باندھ کر موت کے دروازے پر ڈال دیا جائے گا۔

### حاشیہ:

”جس نے اپنے آپ کو گناہوں سے پاک نہیں کیا، جس نے اعتدال اور سچائی کو چھوڑ  
 دیا اور گمراہ کپڑے پہنے کی خواہش کی وہ گمراہ کپڑوں کے قابل نہیں ہے۔“  
 (جسم پر، میکس فیر کے انگریزی ترجمے سے ترجمہ)

ہندوستان کے قومی جھنڈے کے رنگوں پر اظہار نہیں کرتے ہوئے راسٹر پتی  
 ڈائنر راکھاشمن نے فرمایا ہے: ”جو گیا یا گیارہ گت دراصل آگ کا رنگ ہے اور  
 آگ وہ استعارہ ہے جس میں برکثافت جل کر راکھ ہو جاتی ہے۔“

میں نے گیارہ لباس تارک الدنیا جو کیوں کا لباس قرار پایا اور بدھ بھکشوؤں نے  
 بھی پہنا۔ لیکن یہ لباس خواہ ایک قسم کی مذہبی درمی بن گیا۔ اس لیے صوفیوں اور سنسوں  
 نے قرم مذہبی رہنماؤں کے اس قسم کے لباس کی طرف گمراہ کپڑوں کی بھی مخالفت  
 شروع کر دی اور اس کے مقابلے میں من کے رنگ یعنی دل کی صفائی اور پاکیزگی پر  
 زور دیا۔

کبیر کی طرح بنگاں کے بال جھٹوں کا یہ کہنا ہے کہ اگر رنگ دل میں نہ ہو تو باہر  
 کیا بھائی دے گا۔ بچے پھل کے چھلکے کو رنگ دینے سے کچھ پھل نہیں چک جاتا، وہ تو کچا  
 ہی رہتا ہے۔

قاری اور اردو شاعری میں شیخ اور ط کے عیسے اور مذہبی کپڑوں کا خوب مذاق  
 نہ پایا گیا ہے۔ کٹر میخ نے کے لونڈے شیخ کا عمامہ اتار دے جاتے ہیں

جو پاک رکھتے ہیں توں کا جامہ رکھے ہیں ناپاک دامن دل  
خدا کے نزدیک اے مستفی نہیں ہیں زنجار وہ نمازی  
(محمد رفیع سودا)

نا جانے صاحب کہا ہے  
 ملا ہو کر بانگ جو دیوے  
 کیا تیرا صاحب بہرا ہے  
 کیڑی کے ہگ نیور باہر  
 سو بھی صاحب سنتا ہے  
 مالا پھیری سنتا گلاب  
 اسی حشا بڑھا ہے  
 اسر نیرے گھیر کٹاری  
 یوں سہیں صاحب ملتا ہے



ترجمہ۔

نہ جانے یہ کس صاحب (خدا) ہے۔ ملا ہو کر جو تو اذان دیتا ہے تو کیا تیرا خدا بہرا  
 ہے؟ وہ تو وہ آواز بھی سنتا ہے جو کیڑوں کوڑوں کے چلنے سے پیدا ہوتی ہے۔ تو ماں  
 جھپتا ہے، تلک اٹاتا ہے اور لمبی لمبی جٹائیں دکھاتا ہے۔ تیرے دل میں تو کفر کی کٹاری  
 رکھی ہوئی ہے۔ خدا ہر ہے کہ خدا اس طرح نہیں ملتا۔

بہم سوں رہا نہ خانے مُرلیا کی دھن سو کے  
 بنا بست پھول الٹ نہیں لے پھر سدا بولانے  
 کنگر گرھے، بھمی چمکے، انتہنی سے بدور  
 بگنسب کسول، میگم برسائے، جوت پرہو کی اور  
 نادی لاگی تھوں میں بھسج، گیب دھما بھرائے  
 کہیں کہیں آج براں ہمارا، حیوت ہی مرخانے

\*

ترجمہ:

میں مُرلی کی دھن سن رہا ہوں اور میرا دل کا بوسے باہر ہوا جا رہا ہے۔ بغیر ہنسٹ کے  
 پھول کھل رہے ہیں اور بھونرا، یونہی ہوا جا رہا ہے۔ آسمان گرت رہا ہے، بجلی چمک رہی  
 ہے اور میرے دل کے اندر بریں اٹھ رہی ہیں۔ کنول کھل رہا ہے، پانی بریں رہا ہے اور  
 میرے دل کی دپر جو کی طرف لگی ہوئی ہے۔ میرا من وہاں پہنچ گیا ہے جہاں کائنات  
 کی تالیں بچ رہی ہیں اور غیب کا پرچم ہرا رہا ہے۔ کیر کہتے ہیں کہ آج تو جیتے جی  
 مر جانے میں مر رہا ہے۔

جو کیو دانے مسحید بست ہے • اور منک کسبہ کیرا  
 سربہ مورب رام سو اسی • ماہر کیمے کو ببرا  
 پورب دسا بیری کو واسہ • عجبہ اللہ مکما  
 دل میں کیو ح دس ہی میں کیو حو • ابی کریم رام  
 جسے عورت مرد آپسی • سو سب روپ حبرا  
 کیر پر گز اللہ رام کی • سو گرو پر ہمارا

❖

ترجمہ:

مرغہ صرف مسجد میں سنا ہے تو یہ دیا کس کی ہے؟ اگر رام صرف تیر تھ استن کی  
 مورتی میں نھر آتا ہے تو پھر اس استن کے ہا ہر یا مور ہا ہے؟ سری پورب میں بست  
 ہے اور نہ کا مقام پنجم میں ہے۔ میں کتا ہوں۔ چنے دل میں جہ تک کر دیکھو، ریم  
 اور رام دونوں ہمیں ملیں گے۔ عورت اور مرد اس کی حقیقہ جاتی تصویریں ہیں۔ وہ سب  
 تمہارے اپنے روپ ہیں۔ یہ اللہ اور رام دونوں کا پاک ہے، وہی ہمارا گرو ہے وہی  
 ہمارا پیر۔

دل سے پوچھایہ میں کہ عشق کی راہ  
کس طرف مہربان پڑتی ہے  
کہا اُن نے کہ نے یہ ہندوستان  
نے سوئے اسفہان پڑتی ہے  
یہ دوراہا جو کفر و دین کا ہے  
دونوں کے درمیان پڑتی ہے

(سودا)



سب سوش سدا بہ درشت، رہی گئی میں پورا  
 نائے درس برہم بھجے، ہوتی گئی سب دورا  
 سب واسر جرجا جھب جھب ان گنہ سوبہاوی  
 گری دھری مسکیم گنہ، پرہہ رنگ آراوی  
 راگ سرور اکیند اجل، برجے مے پردانی  
 گنہ گنہ پاک رسو، گنہ گنہ سب سکتہ دانی



### ترجمہ:

ہنس کی طبیعت میں اٹھ رہے، دل میں بہرے، جو صاحب نگاہ ہے اور رہن گمن میں  
 پڑا ہے، خواہ (ات پا) کا یہ رکرچکا ہے، وہ خوف اور ہراس سے بے نیاز  
 ہے۔ اس سے وہ اس میں ہفت ہفت پا کا تصور اس طرح رہتا ہے جیسے دل میں  
 مسدول کی خوشبو کی ہو۔ اسے کوئی دوسری داستان پسند نہیں آتی۔ اٹھتے جیسے وہ اس کا  
 گیت گاتا ہے اور پیروں طرف پریم رنگ اڑاتا رہتا ہے۔ وہ راگ کی طرح مسلسل  
 اور پہ سوں ہے، غدر ہے اور ہے پا ہے۔ کیر کہتے ہیں کہ اس کا چہرہ چھوڑ جو ہر وجود  
 خوشیاد اور پریم مت بھرت ہے۔

سادہ سنگت پیتم ابان چل جائیے  
 بھاؤ بھکت آپدیس سہاں نے ہائیے  
 سنگت ہی جر جاو نہ چر جا نام کی  
 دولہا بنا برات کہو کس کام کی  
 دہدھا کو کر دور پیتم کو دھیانیے  
 اُن دیو کی سیو نہ جت لگانیے  
 اُن دیو کی سیو بھلی نہ جیو کو  
 کہے کبیر وچار نہ پاوے پیو کو

✽

ترجمہ:

نیک دلوں کی صحبت اختیار کرو، انھیں کے ساتھ پریم تک رسائی ہوگی۔ فکر اور ذہن اور  
 ہدایت وہیں سے ملے گی۔ وہ محفل جل کر راکھ ہو جائے جہاں اس کے نام کا چہ چا  
 نہیں۔ اگر خود دوہانہ ہو تو برات کس کام کی۔ شک اور شبہ کو دل سے دور کر کے صرف  
 پریم سے لٹ لگاؤ۔ کسی اور دیوتا کی سیوا کا خیال بھی نہ کرو کیوں کہ کسی اور دیوتا کی سیوا میں  
 کوئی بھلائی نہیں ہے۔ کبیر سوچ، پچار کے بعد یہ کہتے ہیں کہ اس طرح پریم نہیں مل سکتا۔

(۷۲)

تو بارہا بار تل ہا کچڑے میں  
کوئی ڈھونڈے چورب کوئی ڈھونڈے بچہ  
کوئی ڈھونڈے ہانی ہتھڑے میں  
داس کبیرے بھرا کوہر کہیں  
ہاندہ لہلے جہرا کے انجری میں  
❦

ترجمہ:

تیرا بچہ میں گر کر کھو گیا ہے۔ کوئی اسے چورب میں تلاش کر رہا ہے اور کوئی ہاتھ  
میں، اور کوئی پانی دریا میں۔ لیکن داس کبیر اس بچے کی قدر جانتے ہیں اور انہوں  
نے اسے اپنے دل کی گانہ میں یاد کیا ہے۔

(۷۳)

ابو دن گونے کے ہو من ہوت ہلاس  
 ڈولیا اتھوے سبھا سواں ہو، جہاں کوئی نہ بیمار  
 پتیاں نوری لائوں کھروا ہو، ڈولی دھر جیسی بار  
 مل بیویں سکھیا سہیلر ہو، سوں ک پروار  
 داس کسر گویں برکتی ہو، سادھو کرنے بچار  
 نرم گرم سودا کرے ہو، آگے بات سا سحر  
 ::

ترجمہ:

کوئی (دلہن کی رخصت) کا دن آ گیا اور دل خوشی سے پھوٹا نہیں سکتا۔ وہ میری  
 ڈولی جنگل میں اٹھا، اے ہیں جہاں میرا کوئی نہیں ہے۔ اے کہا، جس تیرے پاؤں  
 کھڑتی ہوں۔ ہل بھرے لیے ڈولی پیچھے رکھ دے، میں اپنی سکیوں، تیلیوں اور گھر والوں  
 سے رخصت تو ہوں۔ داس کبیر ہر صفت سے بے نیاز ہو کر گار ہے ہیں کہ اے سادھو،  
 نرم گرم جو بھی سودا کرتا ہو جلدی سے کر لو کیوں کہ آگے کوئی بات کوئی باز نہیں ہے۔

ارے دل

ہر نہ بگر کہ است نہ بابا، خون آب نیوں جاوے گا

سن میرے سا جن سن میرے سینا

یا جموں میں کیا کیا بہتا

سر ہاں کو بوجھ جا، اگے کون چیراوے گا

ہولی پار میرا سینا کھڑبا،

اس ملنے کا دھیان نہ دھربا

یونی ساؤ ابر ہو ستیا، گدہیں گویا کیاوے گا

داس کبیر کہیں سمجھائی،

است کال نیرا کون سہائی

جلا اکلا سنگ نہ کوئی، کب اپا داوے گی



ترجمہ:

رے دل، آخر تجھے پریم نگر کا انت نہ ملا (عشق کے رعبھ میں نہیں آئے)۔ تو جیسے

تپا سے دیے غی چلے گا۔ میرے سا جن، سن میرے دوست، اس زندگی میں کیا کیا

نہیں بیت چکی ہے۔ تو نے اپنے سر پر پتھروں کا بوجھ اٹھ رکھا ہے، اس بوجھ کو کون ہلکا کرے گا؟ دوست تو دوسرے کنارے پر کھڑا ہے، تو نے اس سے ملنے کی کوئی ترکیب نہیں نکالی۔ تو نوئی ہوئی ناؤ پر بیٹھا ہے، اے خافل، تو ضرور غوطہ کھائے گا۔ داس کبیر سمجھا کر کہتے ہیں کہ آخری وقت میں تیرا کوئی سہارا نہیں ہے۔ تو اکیلا جا رہا ہے، کوئی نئی ساتھی نہیں ہے۔ تو نے سب تک جوڑ لیا ہے وہی کا پھل تجھے ملے گا۔

بید گہرے سر میں گئے اٹھے سر میں کا ہرام  
 سر میں سر میں ہو سو پہاڑیں، دیکھو سب ہی جہ دھام  
 سب کو دیکھو وہاں کجیو سہیں وہاں ہے درس آسودہام  
 نور اوزہی نورے ڈاس، نورے گا سرپاں  
 لے کر سو جانی سادہ، سب گورو نور نام



ترجمہ:

ویدوں کا کہنا ہے کہ سر میں کے آئے روشن پھیلا ہوا ہے، (صفات کی آڑ میں ہے  
 صفات چھپا ہے۔) اسے سہاگن، سرگن اور نرگن کے جھیلوں میں تجھے کیا ملے گا، دیکھ  
 یہ مقام تیرا مقام ہے۔ وہاں نکھ اور نکھ کا اوند کا نہیں ہے، انھوں پہر چاروں طرف  
 روشن ہی روشن ہے (دیدار ہی دیدار ہے)۔ نور کی چادر ہے، نور کی مسند ہے، نور کا کمر  
 ہے۔ سنو بھنی سادہ، یہ کہتے ہیں کہ مست رہ، سرایہ نور ہے۔

حاشیہ:

دیکھیے نظم ۴۴

(۷۶)

(۱)

تو صورت میں سہارا، وہ اند میں سارا ہے  
تو ہر دمے سوچ بچار یہ دیش ہمارا ہے  
ست گرو درس ہوئے حب بھائی  
وہ دین تم کو پریم جتائی  
سُرت بُرت کئے بھید بتائی  
تب دیکھئے اند کئے پارا ہے  
سکل جگت میں ست کی نگری  
چمٹ بھلاوے ہانکی ڈگری  
سو پہنچے جالے بن پگ ری  
ایسا کھیل اہارا ہے

❖

ترجمہ:

اِس کی صورت اپنی آنکھوں میں بسا لے اور دیکھ کہ یہ دیا اس کے وجود سے بھری  
ہوئی ہے۔ دل میں سوچ تو معلوم ہو گا کہ یہ سارا نہیں تیرا اپنا ہے۔ جس دن ست گرو  
کے درشن ہوں گے اس دن عشق جاگ اٹھے گا، تعلق اور بے تعلقی کے سارے راز کھل



جائیں گے اور جب محسوس ہوگا کہ وہ (س) یا میں موتے ہوئے بھی) اس دنیا سے  
 ہٹا رہے۔ یہ قہر سب کی نگری ہے، اس کی نیزھی باکی پکڑنڈیاں نکلتی ہیں۔ یہ کیسا  
 مجرب نہیں ہے کہ نہ مومن پر قدم رکھے، میری اپنے والے منزل پر پہنچ جاتے ہیں۔

(۲)

لیلا شکوہ الفت وہاں کی  
 جہاں راسِ ولّاس اپارا ہے  
 کہیں نجن جھوٹے یہ بائی  
 پھر نہیں بدنا ستانا ہے  
 بد نرہاں ہے الفت اپارا  
 سُرّت سورت لوگ ہمارا  
 ست پُرش نو تن تن دھارا  
 صاحبِ سکل روپ سارا ہے  
 ہاگ ہگبجے کیلی پھلواری  
 امرت لہریں ہو رہیں جاری  
 بنسا کیل کرت نند بھاری  
 جہاں ان حد گھورے اپارا ہے  
 نامدہ ادھر سنہاسن گاہے  
 پرش سہانتہاں ادعت برا ہے  
 کوئن سور روم الٹ لاکھے  
 ایسا پرش دیدارا ہے  
 ہتھ بنا ست راگ اچاری  
 جو بیدہمت ہے منجھارا ہے

جنم جسم کا امرت دھارا  
 جہاں ادھر امرت پھسارا ہے  
 ست سے ست سن کہلائی  
 ست بھنڈا رہا ہی کے ماتھی  
 نہت رجنا تاو رجائی  
 جو سہن تیں نیارا ہے  
 احد لوک وہاں ہے بھائی  
 پُرش انامی اکھا کہائی  
 جو پہنچے جائیں گے واپی  
 کہن سنن نے نیارا ہے  
 رُوپ سُروپ کچھو وہاں ناہیں  
 ٹھور ٹھانوں کچھو دیسے ناہیں  
 اجر تول کچھ درشت نہ آئی  
 کیسے کہوں سُمارا ہے  
 جا پر کرپا کرے سائیں  
 ان بد مارگ گارے تاہی  
 ادبھو ہرے ہاوت ناہیں  
 جب یارے دیدارا ہے  
 کہیں کبیر مکھ کہا نہ جائی  
 نا کا گد پر انک چڑھائی  
 سانوں گونگے سم گڑ کھائی  
 کیسے بچن آچارا ہے

❖

جل ہسسا وا دیس جہاں پیا ہسے جت جور  
 سُرت سو باگی ہسے ہسہاں بھرے ٹھازہ یں دور  
 وہ دسواں باد ر نا اُسڑے رم جہم ہرے میہہ  
 جو بارے میں ہنڈ رہو نا، حا بھیجھہ بردیہہ  
 وہ دیسوا میں ست ہور دیا کب نیوں نہ بیونے اندر  
 ابلک سُرح کے کون بناوے، کوٹس سُرح اُسحیر

✽

ترجمہ:

اے ہنس، اُس دیس چل جہاں دل چاہیے والے پیا کی نگری ہے، جہاں پر پریم کی  
 سہاگن کھڑی ہوئی بغیر دور کے پانی بھر رہی ہے۔ اُس دیس میں بادل گھر کے نہیں  
 آتے ہیں لیکن مینہ رم محم برستا ہے۔ چوبارے میں ست جینہ، باہر نکل اور اپنے بغیر جسم  
 کے وجود (نزدیبہ) کو بھیگ جانے دے۔ اُس دیس میں چاندنی ہمیشہ چلی رہتی ہے اور  
 اندھیرا کبھی نہیں ہوتا۔ ایک سورج کی بات کون کرتا ہے، وہاں تو کروڑوں سورج چمک  
 رہے ہیں۔ (ہنس = روح = دل)۔

کہیں کبر سو ہو سادھو اسرت بھی ہمار  
 جو بھی جاہو آہو، پر کھو کرو بچار  
 جسے کرب میں او بچے ناسوں پر گویا بیچ  
 ایسی ندھی ووبٹ نہ، سہج بسا ہی بیچ  
 بھی میں نے سم سم چلے، یہی جلیو ابدیس  
 سنجنے گپہ نرجئے رہو، نہی ہرم ست سدیس  
 کہی گاؤ کہی دھیاوہو، چپوڑو سکن دھمار  
 یا ہر دے سم کو سے، کیوں سیوڑو سن اجاز  
 دور سی کرب تیاب کیے، کری دور کی اس  
 جو کرب دورے بنے، تو کو حگ سر حے ہاس  
 جو جانو یہاں ہے نہیں، تو تم دھاو دور  
 دور سے دور بھرم بھرم نشہل مرو ہسور  
 ڈرلے درس دور کیے، نیر سدا سکھ ہاس  
 کہیں کبر سوہ وایا، ست دکتہ پاوے داس  
 آپ این ہو جینہو، نکھ سکھ سہت کبر

## آئندہ منگل گادہو ہو ہی این ہونہو

❦

ترجمہ:

سنو سادھو، کبیر کہتے ہیں کہ ہمارا بچن امرت ہے (ہماری بات لافانی ہے)۔ اگر اپنا بھلا چاہتے ہو تو ہمارے بچن کو پرکھو اور اس پر غور کرو۔ تم اپنے خالق سے بیگانے ہو گئے ہو۔ تم نے اپنی عقل گم کر دی ہے اور موت کو خرید لیا ہے۔ تمام فلسفے یہیں سے چلے ہیں، تمام تعلیمات یہیں سے نکلی ہیں۔ یقین پیدا کرو اور بے خوف ہو جاؤ اور عظیم صداقت کا پیغام مجھ سے سنو۔ تم کس کے گیت گاتے ہو، کس کا دھیان کرتے ہو؟ ارے، شکلوں کے اس فریب سے باہر نکلو۔ وہ تو سب کے دس میں ہوتا ہے، پھر اجاڑ ویرانوں میں مارے مارے پھرنے سے کیا فائدہ۔ اگر تم نے گرد کو دور رکھا ہے تو ظاہر ہے کہ تم دوری اور فاصلے کی پوجا کر رہے ہو۔ اگر مالک واقعی دور ہے تو پھر اس آس پاس کی دنیا کو کس نے پیدا کیا ہے؟ اگر تم نے اس کو دور سمجھ لیا ہے تو پھر تم دور سے دور اس کی تلاش میں جاؤ گے لیکن وہ روئے بسور نے اور آسو بہانے سے بھی نہیں مل سکتا۔ جب وہ دور ہے تو پھر اس کا درشن بھی دور ہے، جب وہ پاس ہے تو صرف مسرت اور سعادت ہے۔ کبیر کہتے ہیں کہ اے بندے (داس)، کیوں دکھ اٹھاتا ہے۔ وہ تو تیرے وجود میں جاری اور جاری ہے۔ اپنے آپ کو پیچھا نہ، کبیر، وہ سر سے پاؤں تک تم میں بسا ہوا ہے۔ خوشی کے گیت (آئندہ منگل) گاؤ اور دس کا سکون باقی رکھو۔

نہ ہیں دھرمی نہ ہی ادھرمی ، نہ میں حتی نہ کسی ہو  
 نہ میں کہنا نہ میں سنا ، نہ میں سیوٹ نہ میں سوامی ہو  
 نہ میں بندھا نہ میں ٹکا ، نہ میں برب نہ میں رنگی ہو  
 نہ کہ ہو سے سارا سوا ، نہ کہ ہو کیے سسکی ہو  
 نہ بہہ راکٹ ہوٹ کو حد سے ، نہ بہہ سرگ نہ ہمارے ہو  
 نہ سب ہیں کرم ہمارا کسنا ، نہ کرم میں سارے ہو  
 نہ سب کو کہنی برے بڑھیسے ، نہ سوار ہو سہیے ہو  
 نہ سب کسر کا ہو کو چاہیے ، نہ سب کا ہو کو منے ہو

ترجمہ:

نہ میں دھرمی ہوں نہ نہ ادرمی ، نہ میں قانون کا بندہ (براہم چاری) ہوں اور نہ  
 خواہشوں کا خادم ۔ نہ میں بدلتا ہوں نہ سنتا ہوں ۔ نہ میں حامد ہوں نہ معبود ۔ نہ میں جبر  
 کے قبضے ہوں نہ اختیار کے ۔ نہ میر کسی سے تعلق ہے نہ میں بے تعلق ہوں ۔ نہ میں کسی  
 سے دور ہوں نہ کسی سے قریب ۔ نہ ہم جنم میں جاتے ہیں نہ جنت کا راستہ پتے ہیں ۔  
 سب کام ہم نے کیے ہیں لیکن ہر کام سے بے نیاز ہیں ۔ اس فانی (مست) کے سمجھے  
 والے تم ہیں یلین جس سے بھولیں ، وہ غلط ہو گیا ۔ پھر نہ تو کسی مت کا بانی ہے اور نہ  
 کسی مت کا مٹانے والا ۔

(۸۰)

سرت نام ہے سب تیں نیارا  
 نرگن سرگن شبد ہسارا  
 نرگن ہیج سرگن ہول بھولا  
 ساکھا گیان نام ہے سولا  
 مول گہے تیں سب سکھ باوے  
 ڈال پات میں مول گنواوے  
 سانبیں ملانی سکھ دلانی  
 نرگن سرگن بھید مٹانی

ۛۛۛ

ترجمہ:

سرت نام سب سے نیارا ہے (ایسا نام کوئی اور نہیں)۔ نرگن (بے صفات) اور سرگن (صاحب صفات) صرف غلط ہیں۔ نرگن سچ ہے اور سرگن پھل اور پھوس۔ گیان اس کی شاخ ہے اور نام اس کی جڑ۔ جو جڑ تک پہنچ گیا اس نے سرت حاصل کر لی۔ جو ڈال پات میں الجھ گیا وہ جڑ تک کبھی نہیں پہنچا۔ مالک (سانمیں) سے ملاقات سرت کا حصول ہے اور اس سے نرگن اور سرگن کے بھید بھی دھست جاتے ہیں۔

## حاشیہ:

درخت، شاخ اور جز کا ستورہ عبدالرحمن جامی کے یہاں بھی ہے

دو مشیں در این ویرانہ پوں پچھ      سے مرغان قدی آشیاں بر  
 بود کیچہ درخت سر بر شاخ      دلے جملہ سوے یک اصل رہبر  
 زہ شافے سوے آں اصل روجوی      پوں آں راپا فنی ار شاخ بگذر  
 نہ باشد شیوہ مرغان ریگ      نشستن بر زماں بر شاخ دیگر

(ترجمہ: اے دل، ویرانے میں انوکھی طرح نہ بیٹھو۔ اُن کران طائروں کے پاس پہنچ جا  
 جن کا نشیمن عرشِ مطلق پر ہے۔ زمین ایک ایسا درخت ہے جس میں شاخیں ہی شاخیں  
 ہیں لیکن وہ تمام شاخیں ایک اصلیت یعنی جز کی طرف رہنمائی کر رہی ہیں۔ ہر شاخ  
 سے اصل کی طرف جانے کی راہ تلاش کرو۔ حسبِ وہل جائے تو شاخ کو چھوڑ دے۔ نئی  
 نئی شاخوں پر بیٹھنے رہنا عقل مند طائروں کا شیوہ نہیں۔)



(۸۱)

ہر تھم ایک جو آہیے آپ  
ہر کر کرگی فرجہاں  
نہیں تو آؤ انت مدہ تارا  
نہیں تو اندہ دھندہ اجیارا  
نہیں تو بھومی ہون آکاسا  
نہیں تو پاوک نیر نواسا  
نہیں تو سرستی جمنہ گنگا  
نہیں تو ساگر سمد ترنگا  
نہیں تو ہاں ہن نہیں وید پُرانا  
نہیں تو بھنے کتیب گرانہ  
کہیں کبیر وچار کے نب کچھ کر پاناہیں  
پرہ پرش سہاں آپ ہی اگم اگو چرماہیں  
کرنا کچھ کھاوے نہیں پیوے  
کرنا کہہوں مرے نہ جیوے  
کرنا کے کچھ روپ نہ دیکھا

کرتا کہے کچھ ہرن نہ بھیکھا  
 خاکے جات گوت کچھ نابھ  
 سہا ہرن نہ جائے موہا ہیں  
 روپ اروپ نہیں نہرا ناؤں  
 ہرن اہرن نہیں تیبہ ٹھاؤں

❦

ترجمہ:

ارل میں، واکیا، تھ وراس کا اپنا وجود ہی اس کے لیے کافی تھا۔ وہ جس کا نہ رنگ ہے  
 نہ روپ ہے، وہ جو بے صفات ہے۔ نہ تو ابتدا تھی، نہ ارتقا (مدح = وسط) نہ انتہا۔ نہ  
 اندھیرا تھا، نہ دھند کا تھا، نہ اجالہ نہ زمین تھی، نہ سواتھی، نہ آسمان، نہ آگ تھی نہ  
 پانی۔ نہ لگا، جنم اور سرسوتی کے دھارے تھے۔ سمندر تھا نہ موبھیں۔ نہ گناہ تھا نہ  
 ثواب، نہ ایدہاں تھے نہ قرآن۔ کیر سوچ پھر کے بعد کہتے ہیں کہ تب کوئی حرکت  
 اور جنبش نہیں تھی، ذات مطلق (پرہیز = ذات اعلیٰ) اپنی خودی کی نامعلوم اور  
 محدود گہرائیوں میں کھائی ہوئی تھی۔ خالق (کرتا = کرتار) نہ کچھ کھاتا ہے نہ چیتا  
 ہے۔ وہ نہ مرتا ہے نہ جیتا ہے، اس کا نہ کوئی روپ ہے نہ رنگ (نکیر)، نہ رنگ ہے نہ  
 بھیں۔ نہ اس کی، ات پات ہے نہ موتر۔ اس کی شاں بیان سے باہر ہے۔ نہ وہ مشکل  
 نہ نہ بٹل (نہ خواہ صورت سے نہ صورت)۔ اس کا کوئی نام نہیں ہے۔ نہ دو رنگ  
 میں ایہ رہا اور نہ رنگ سے آزاد ہے۔ اس کا کوئی مقام نہیں ہے۔

(یہ ظم آرائیہ طرف ان معنوں میں خالص ویدانت ہے کہ برہما مکمل عدم در  
 مکمل خاموشی (شونہ) ہے تو دوسری طرف ہمدوست کی تشریح ان معنوں میں ہے کہ  
 کائنات کی کسی چیز سے الگ اس کا وجود نہیں۔ دو سب کچھ ہے، الگ کچھ نہیں ہے۔)

کہیں کبیر و چار کے جا کے یوں نہ گؤں  
 بُرا کار اور بر گ، سے ہوون سب نہاؤں  
 کرت آند کھیل لائی، اوں کرتے سرشتی اپنی  
 آند دھرتی آند آکاس  
 آند چند سور پرکاس  
 آند آد انت مدہ تارا  
 آند اندہ کوپ اجیارا  
 آند ساگر سمدر ترنگا  
 آند سرشتی جمہا گنگا  
 کرتا ایک، اور سب کھیل  
 مرن جنم برہ میل  
 کھیل جل تھل سکل جہانا  
 کھیل جانوں جمی اسمانا  
 کھیل کا یہ سکل ہسارا  
 کھیل مانہی رہے مستسارا

کہیں کبیر سب کھیلن مابہیں

کھیلن ہمار کو جیسہیں مابہیں

❦

ترجمہ:

کبیر سوچ و چار کے بعد کہتے ہیں کہ وہ جس کی نہ کوئی ذات پات ہے نہ کوئی ٹھکانا، جو جسم سے پاکہ اور صفات سے بے نیاز ہے، اس کامل سے ساری کائنات بھری ہوئی ہے۔ وہ خالق ہے جس نے مسرت اور سعادت کا کھیل شروع کیا ہے اور اوم کے لفظ سے کائنات کی تخلیق کی ہے۔ زمین مسرت ہے، آسمان مسرت ہے، چاند کا نور اور سورج کی روشنی مسرت ہے، ازل مسرت ہے، اد مسرت ہے، ارتقا مسرت ہے، اندھیرا مسرت ہے، اُجال مسرت ہے، سمندر مسرت ہے، اس کی لہریں مسرت ہیں، مسرت ہیں گڑگا اور جمن اور سرسوتی کے دھارے۔ خالق ایک ہے، زندگی اور موت، نجر اور وصال سب اس کے کھیل ہیں۔ کھیل پانی کا، کھیل مٹی کا، کھیل سارے جہان کا، کھیل زمین اور آسمان کا۔ کائنات کی سرشت میں کھیل ہے اور کھیل ہی میں ساری کائنات ہے۔ کبیر کہتے ہیں کہ ساری دنیا اس کا (حسین و جمیل) کھیل ہے لیکن کھیلنے والے کو کوئی نہیں پہچانتا۔

(۸۳)

جھبی جھبی جستر باجے  
 کر خرن نہونا ناچے  
 کربین باجے سنے شروں بین  
 شروں شروں لوئی  
 ہاٹ نہ شباس سبھا ہی اوسر  
 بوجھو من جن سونی

✽

ترجمہ:

ساز بج رہا ہے۔ ہاتھ ہیں نہ پاؤں، لیکن تاق ہو رہا ہے۔ انگلیاں نہیں لیکن نغمہ ہے،  
 کان نہیں ہیں لیکن سنائی دے رہا ہے۔ وہی خود کان ہے اور وہی سننے والا۔ دروازہ  
 بند ہے اور اندر خوشبو بھری ہے۔ کوئی محفل آرا نظر نہیں آتا لیکن محفل بھی ہوئی ہے۔  
 بوجھنے والے اسے بوجھ لیں گے۔ (یہ ترجمہ بھی ممکن ہے نہ تخت نہ دربارہ پھر بھی محفل  
 آراستہ ہے۔ جو اس کو سمجھ لے وہی محرم راز ہے۔)

(۸۴)

سور نہکروا مانگ جائے  
میں تو دیکھو نہ ہولیوں  
سگن سے کیا مانگے  
ہیں مانگے جو دیہ  
کسہیں کبیر میں ہوں واپسی کو  
ہونی ہونے سو ہوئے

❦

ترجمہ:

میرا حقہ ماتر چم رہا ہے نیکس میں نے تو اس کی بہت بھی نہیں دیکھی۔ مانگنے والے  
سے میں کیا مانگوں، دو تو من مانگے دیتا ہے۔ کبیر کہتے ہیں کہ میں تو اس کا ہوں، جو ہوتا  
ہے ہو جائے۔

دبھر سے جیرا بھاٹ رے

دبھر نگری جس کے بگڑی، اس کا کیا گھر ہاٹ رے

تک حیرا مور نہ لاگے، بس بس بہت اُجڑاٹ رے

با نگری میں سکھ درواجا، بیچ سمندر گھاٹ رے

کیسے پار اتریں سحسی، اگم ہتھ کا پات رے

عجب طرح کا ہا تمورا، بار لگے مں مات رے

کھوئی ٹوٹی بار بلگانا، کوڑ نہ ہو جھٹ بات رے

ہنس ہنس ہو چھے مات ہتا سوں،

بھوریں سا سرجات رے

حو چاہیں سو رو ہی کری ہیں، ہب واپی کے ہاتھ رے

بھائے دھوئے دلہن ہوئے بٹھی، جو ہے بیا کی بات رے

تک گھونگیشوا دکھاؤ سکتی ری،

آج سو باگ کی رات ہے

کسے کیر سو بھائی سادھو پیا ملے کی اس رے

بھور ہوت ندیمے باد کرو گے، بید نہ اوے کھاٹ رے

ترجمہ:

ماں باپ کے گھر سے جی اکتا گیا ہے۔ جس کی یہ مگرمگنی اس کا نہ کوئی گھر ہے نہ راستہ۔ اب تو ذرا بھی مٹی نہیں لگتا، تن من اچاٹ رہتا ہے۔ اس مگرمگی میں لاکھ دروازے ہیں لیکن بیچ میں سمندر حائل ہے۔ بجٹی، میں کیسے پار اتروں، اس راستے کا کوئی اور چھوڑ نہیں ہے۔

یہ تینورا عجب ترکیب سے بنا ہوا ہے۔ جب اس کے تار بجنے لگتے ہیں تو دل نئے میں کھو جاتا ہے لیکن جب کھوٹی نوٹ جاتی ہے اور تار الگ ہو جاتے ہیں تو پھر کوئی اس کی بات نہیں پوچھتا۔

میں ہنس ہنس کر ماں باپ سے پوچھتی ہوں کہ صبح ہوتے ہی سسرال جانا پڑے گا۔ وہ جو چاہیں گے کریں گے، اب تو عزت انھیں کے ہاتھ ہے۔ چوں کہ پیا کا انتظار ہے اس لیے نہادھو کر دہن مٹی پیٹھی ہوں۔ سکھی، ذرا اپنا گھونگھٹ اٹھا، آ سہاگ کی رات ہے۔ سنو بھائی سادھو، کبیر کہتے ہیں کہ پیا سے ملنے کی امید ہے۔ بستر پر لیٹ کر نیند نہیں آتی، صبح ہوگی تو مجھے یاد کرو گے۔



جیو محل میں سو نہنواں، کہاں کرت اُسامہ رے  
 پہو چھا دیوا کر لے سبوا، رہی جلی آوت رے  
 جُگن جُگن کرے ہتیجہیں، صاحب کا دل لاگ رے  
 سو جھت نہیں ہرم سکھ ساگر، ہا پریم ہیراگ رے  
 سرون سُر بُچھ صاحب سے ہورن ہر گٹ بھاگ رے  
 کہے کبیر سو بھاگ ہمارا، ہایا اجل سو بھاگ رے

❖

ترجمہ:

زندگی کے محل میں خود شو مہمان ہیں۔ تو کہاں پاگل بنا بھر رہا ہے۔ اپنے دیوتا کی سیوا  
 کر لے، رات بڑی تیزی سے چلی آ رہی ہے۔ میرا انتظار کرتے کرتے نہ جانے کتنے  
 جگ بیت گئے۔ مالک کا دل مجھ سے لگ گیا ہے۔ پریم اور ہیراگ کے بغیر سرت کا  
 بحر بے کراں دکھائی نہیں دیتا، لیکن اب اپنے مالک سے بہت کا نفر سننے کے بعد میری  
 قسمت جاگ اٹھی ہے۔ کبیر کہتے ہیں کہ ہمارے بومگ کیسے اچھے ہیں کہ کبھی نہ ختم  
 ہونے والا سہاگ ملا ہے۔

گنگس گھٹا گھسرا سی سادھو، گنگس گھٹا گھسرا سی  
 پورب دس سے انہی سے بدربا، رم حوہ برست پانی  
 ایں آپی سیڑ سمہارو، سہیو جات بہ پانی  
 سرت برت ک بیل سہاں، کرے کوہت پروا سی  
 دھار کاٹ مار گھر آوے، سوئی کسل کسا سی  
 دوہوں تیار برابر پرسی، جیویں مئی اور گیانی

✽

ترجمہ:

آسمان پر بادل گرج رہے ہیں، سادھو آسمان پر بادل گرج رہے ہیں۔ پورب کی  
 طرف سے ٹھنڈی ہے اور رم حمم رم، جھم پانی برس رہا ہے۔ اپنے اپنے کھیت کی مینڈھ  
 کو پانے کی ترکیب کرو، نہیں تو پانی سب کا سب بہ جائے گا۔ عشق اور بے تعلقی کے  
 بیٹوں کو بھٹکنے دو اور نجات کی کھیتی تیار کر لو۔ (یہ ترجمہ بھی ہو سکتا ہے سرت اور برت  
 کے بیٹوں کو جت کر نروان کی کھیتی کر لو۔) کچھ دار کسان وہی ہے جو دھار کو کاٹ کر  
 گھر لے آتا ہے اور دونوں تھالوں میں برابر کھانا نکالتا ہے جسے مٹی اور گیانی دونوں  
 کھاتے ہیں۔

آج دن کے میں جاؤں بلہاری  
 یتیم صاحب آنے میرے پہونا،  
 گھر آنگن لگے سہونا  
 سب پیاس لگے منگل گاین،  
 بھنے مگن لکھ جھب من بھاون  
 چرن پکھاروں، بدن نہاروں

تن من دھن سب سانیں پیے واروں  
 جادن پانے بیا دھن سوئی، ہوت آند ہرم سکھ ہونی  
 سُرٹ لگی ست نام کی آسا، کہے کبیر داس کے داسا

❖

ترجمہ:

اس دن پر ثار ہو جانے کو جی چاہتا ہے، آج پرتم مہمان آئے ہیں اور گھر آنگن  
 سہانے لگ رہے ہیں۔ میری پیاس گیت گارہی ہے اور خوش ہو کر اس کے دل موہ  
 لینے والے حسن میں کھوئی جا رہی ہے۔ میں اس کے پاؤں دھوتی ہوں، اس کے  
 چہرے کو (پیار سے) دیکھتی ہوں اور اپنا تن من دھن سب سائیں پر پنچاؤں کر دیتی

ہوں۔ یہ دن کتنا مبارک ہے کہ مجھے اپنے پیا کی دولت ملی ہے۔ میری خوشی کی کوئی انتہا  
نہیں ہے۔ داسوں کے داس کبیر کہتے ہیں کہ مجھے مشق ہو گیا ہے اور دل ست نام کے  
لیے تڑپ رہا ہے۔ (بدن = دون = چہرہ)

کوئی سنتا ہے گیانی راگ گنگ میں، اواح بوئی پانی  
 سب گھٹ پورن پور رہا ہے، سب شرن کے کھائی  
 حوتی پایا کھنڈ دیکھایا، ترسا سہی بچھانی  
 امرت چھوڑ کھنڈ رس چا کھا، ترسا ٹاپ تپانی  
 اون انگ سوانگ باحا باحے، شرت نرت سمانی  
 کہیں کبیر سو بھانی سا دھو، سہی آد کی پانی

✽

ترجمہ:

ہے کوئی گیانی جو آسمان کے راگ کو سنے جیسے تیز بارش ہو رہی ہو۔ مکمل ذات نے ہر  
 جسم کو اپنے وجود سے بھر دیا ہے اور سب کو سونے کی کان بنادیا ہے۔ جس نے تن پایا  
 لیکن صرف نیم حقیقت کو دیکھا اس کی پیاس کبھی نہیں بجھی۔ اس نے امرت کو چھوڑ کر  
 ناقص رس پکھا اور تشنگی کی آگ میں جلتا رہا۔ اون انگ سوانگ کا راگ گونج رہا ہے  
 اور شرت (عشق) نرت (پیراگ) ایک ہو گئے ہیں۔ سنو بھائی سا دھو، کبیر کہتے ہیں  
 کہ یہی ازلی نذر ہے۔

حاشیہ:

نظم ۷ کا پہلا بند بھی دیکھیے۔

مگن راگ دراصل ستاروں کا نغمہ ہے۔ کبیر نے اپنی کئی اور نظموں میں اس کو بار بار  
 ۱۰ برایا ہے۔ مسلم فلسفیوں اور صوفی شاعروں کے یہاں یہ تصور موجود ہے۔ اس کی ابتدا  
 یونانی مفکر فیثاغورس (Pythagorus) کے اس نظریے سے ہوتی ہے کہ ستاروں کے  
 فاصلوں اور گردشوں کا توازن موسیقی کے اصولوں کی بنیادوں پر قائم ہے۔ مسلم فلسفیوں  
 نے اس سے یہ نظریہ بنایا کہ ستاروں اور ستاروں سے نغمہ پیدا ہوتا ہے جو خدا کی حمد و ثنا  
 کے لیے ہے اور اس نغمے کو پاک رو میں سن سکتی ہیں۔ اصول ازل کے گرد گھومتے  
 ہوئے ستاروں کی گردش عشق کا نتیجہ ہے۔ یہی نغمہ آسمان سے اتر کر زمین پر آیا ہے۔  
 مولانا رومی فرماتے ہیں:

پس حکیمان گفتند این سخن با  
 از دواہ چرخ مگر تم ما  
 بانگہ کرش باے چرخ است این کہ خلق  
 می سرایندش بہ ظنور وہ طلق

(ترجمہ: پس فلسفیوں کا کہنا ہے کہ یہ مستزئم آوازیں آسمان میں تاپتے ہوئے نورانی  
 اجسام سے آتی ہیں۔ اور یہ نغمہ جو دمک ظنور سے پیدا کرتے ہیں اور گلے سے نکالتے  
 ہیں، گردش چرخ کا نغمہ ہے۔)

اس بنیاد پر صوفیوں نے سماع کو جائز قرار دیا ہے جبکہ اسلام میں موسیقی حرام ہے۔  
 چنانچہ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ سماع دراصل "صوت ملی" سننے کا نام ہے اور انسان  
 بے خود ہو کر اصال یا رب تک پہنچ جاتا ہے۔ (مشنوی کا انگریزی ترجمہ، از انگلین، جلد ۸)  
 کبیر نے ایک نظم (نمبر ۳۹) میں انسانی جسم کو ظنور سے کاغذ ٹھہ کہا ہے جس  
 سے حضوری کا نغمہ نکلتا ہے۔

(۹۰)

میں کاسوں کہوں این پہ کی بات رے  
کہیں کبیر بچیڑ نہیں ملسو  
جیوں ترور چھوڑ بن دھام ری

❖

ترجمہ:

میں اپنے پریم کی بات کس سے کہوں۔ کبیر کہتے ہیں کہ ہجر کے بعد وصال ممکن نہیں ہے۔ جیسے بڑ کو چھوڑ کر جنگل نہیں مل سکتا (ایسے ہی وہ محبوب خیال میں تلاش نہیں کیا جاسکتا)۔

حاشیہ:

اس نظم کا آخری مصرع مبہم ہے، ہندی اور اردو کے ترتے دو مختلف اوقات میں کیے گئے تھے، اس لیے ان میں بہت بڑا فرق پیدا ہو گیا ہے۔ اردو کا ترجمہ نیگور کے کیے ہوئے انگریزی ترجمے سے زیادہ قریب ہے۔

سسکرت بھاشا پڑھ لیسما، گسامی بونک کسپوری  
اسا برسنا سیر سپہ گو سحی، کام کے تاب سسپوری  
ماں سی کی منکی سر پر، بابلک بوجھ سوری  
منکی بونک ملو بسم سے صاحب کسپوری

❖

ترجمہ:

میں نے سسکرت بھاشا پڑھ لی ہے۔ لوگو، اب مجھے گیانی کہو۔ (لیکن اس سے کیا فائدہ  
جب) پیام بھائے لیے جارہی ہے اور خواہشوں کی آگ جلنے ڈال رہی ہے۔  
غور اور تلخی کا بوجھ سر پر اٹھائے پھرنا اور اس کے نیچے، بکھرنا فضول ہے۔ کیر  
کہتے ہیں کہ اس بوجھ کو پھینک دو اور پرتم کو مالک کہہ کر پکارو اور اس سے جانو۔

حاشیہ:

ہندوستانی کی جدید زبانوں مثلاً ہندی، اردو، مراٹھی، بنگالی، پنجابی وغیرہ کی ترقی میں  
صوفیوں اور سنتوں کا بہت بڑا حصہ ہے۔ انھوں نے سسکرت اور فارسی کو چھوڑ کر، جو  
مولویوں، حکمرانوں اور چڈتوں کی رہائش تھیں اور عوام کی دسترس سے بہت دور تھیں،



عوام کی بولیوں یعنی بھاشوں میں لکھنا شروع کیا۔ ہندی میں کبیر، ملک محمد جاسی، تہسی داس، سور داس، میرا بائی اس کی سب سے زیادہ شاہکار مثالیں ہیں۔

اس نظم میں کبیر نے سنسکرت کو غرور اور تکبر کی زبان قرار دیا ہے۔ ایک اور جگہ لکھا ہے کہ سنسکرت تو کنویں کا پانی ہے اور بھاشا بہتی ہوئی ندی ہے ("سنسکرت ہے کوپ جل، بھاشا بہتا نیر")۔ پنڈت سند رمال نے اپنی کتاب "کبیر اور انسانیت" میں لکھا ہے کہ "کاشی کے ہندوؤں میں ان دنوں سنسکرت کا رور تھا۔" ظاہر ہے کہ کبیر ایسی زبان استعمال کرنا چاہتے تھے جو آسانی سے لوگوں کے دلوں میں گھر کر سکے۔

جو کھا چلے شرت ہوئیں کا  
 کیا نگری سی ات سندر محل بنا چنی کی  
 شرب سیاوری ہوٹ گئی میں، پیڑھا گیاں ریں کا  
 مہیں سوہ بریں کاسی، ماحفا ہریم نہگت کا  
 کہیں کیر سو بھانی سادھو، ملا گونپو دن ریں کی  
 ہا مورانی ہیں پکار رکھی ہیں، آسو بھیسٹ دیہوں میں کا



ترجمہ:

پریم کی ماری برہن (جو اپنے پریم سے جدا ہو گئی ہے) چرند چلاری ہے۔ جسم کا شہر  
 اپنے سارے جلال و جمال کے ساتھ ابھر رہا ہے اور اس کے اندر دل کا محل تعمیر ہو رہا  
 ہے۔ آسمان پر پیار سے پھیرے پڑ رہے ہیں اور عرفان کے جواہرات کا بنا ہوا تخت  
 بچھا ہے۔ برہن سوت کو مہین کات رہی ہے اور اس سے پریم اور بھگتی کا عروسی جوڑا تیار  
 ہو رہا ہے۔ سنو بھنی سادھو، کیر کہتے ہیں کہ میں دن اور رات کی، لاگو نہ رہا ہوں۔  
 جب میرے پریم آئیں گے اور (میرے گھر میں) اپنے قدم رکھیں گے تو میں اپنی  
 آنکھوں کے آنسو نذر کروں گا۔

کوٹھ بھار، چندر، تارا گئی، چھتر کی جھانپہ رہائی  
 من میں من، بیس میں بیا، من نیما الٹ ہو جانی  
 سرت سو با گئی من بیا گو، تن کے میں بھائی  
 کہیں کبیر ملے ہریم پورا، ہا میں سرت ملانی

❖

ترجمہ:

اس کی چھتر چھایا میں کروڑوں سورج، کروڑوں چاند اور کروڑوں تارے چمک رہے  
 ہیں۔ اس کا دل میرے دل میں ہے، اس کی آنکھیں میری آنکھوں میں ہیں۔ اب  
 دل اور آنکھ دونوں ایک ہو گئے ہیں۔ پیار کی ماری سہاگن اپنے پرتم سے مل گئی ہے  
 اور تن کی آنکھ بند کر کے من کی آنکھ کھول دی ہے۔ کبیر کہتے ہیں کہ پورا پریم اس وقت  
 ملتا ہے جب اپنا پیار پرتم میں مل جاتا ہے۔

حاشیہ:

غالب کا تخیل حسن اور عشق کے مکمل وصال کے لیے ترستا رہا  
 میں نامراد دل کی قسلی کو کیا کروں  
 مانا کہ تیرے رخ سے نگہ کا سیلاب ہے

وا کر دیے ہیں شوق نے بند نقاب حسن  
 غیر از نقاد وہ کوئی حاکم نہیں رہا  
 نہیں کیا نے نگاہوں کے اس فاصلے کو ختم کر دیا ہے اور وصل ہی وصل ہے۔ ایک  
 وہب میں اس خیال نے یہ فعل اختیار کی ہے

نیا اتر آؤں، میوں ہوں میں نہیں ٹھہرے  
 تاروں، آنکھوں اور کون، تا تجھ دیکھن، چہ  
 (اچھ مچھکاتے ہی تو آنکھوں میں سما جاتا ہے۔ میں آنکھیں بند کر لیتا ہوں، نہ خود کسی  
 کو دیکھتا ہوں نہ تجھے دیکھنے دیتا ہوں۔)

ایک اور دوہا

میوں کی سر کو غری، ماری پنک بچے  
 پنکوں کی چمک ڈار کے پیا کو لیا دھماکے  
 (ترجمہ آنکھوں کی وغری مانی اور ہلکے پنک، بچہ یا دور پنکوں کی چلمن ڈال کر پیا کو  
 رچھایا۔)

اودھو، بیگم دیس ہمارا

راجہ، رنک، پھکیر، بادشا، سب سے کہیوں ہمارا

حوسم جاہو پریم پد کو، ہسی ہو دیس ہمارا

حونم آنیے چھبے ہو کیے، حوسم کی بھارا

دھرم، اکس، گگی، کچھ ماہسی، ہسی جدر، ہسی مارا

ست دھرم کی ہسی مہادیس، صاحب کے دربارا

کہیں کبیر مسو ہو پیارے، ست دھرم سے سارا



ترجمہ:

اودھو، ہمارا دیس وہ ہے جس میں کوئی غم نہیں ہے۔ یہ بات ہم راجہ اور ہونکاری، فقیر اور بادشاہ سب سے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں۔ اگر تم ذات اعلیٰ کے متاثر ہو، ہمارے دیس میں آن بسو۔ اگر تم تھک کر پھر ہو گئے تو تو یہاں من کا بوجھ ہٹا کر لو۔ اس جگہ زمین، آسمان، چاند، تارے کچھ بھی نہیں۔ مالک کے دربار میں صرف ست دھرم (صداقت) کے مہتاب جگمگا رہے ہیں۔ پیارے بھائی سنو، کبیر کہتے ہیں کہ ست دھرم ہی سب کچھ ہے، باقی کچھ نہیں۔

### سانیں کے سنگ سا سُر آئی

سنگ بہ ربی، سواد بہ حاسو، گجو حوس سپے کے مائی  
 سکنی سہلی سنگل گواویں، سکنہ ذکھ مانھے ہر دی جڑھائی  
 بنیو رواء، جلی بن دوڑنیا، بات حات سمدھی سمجھائی  
 کہیں کسیر، ہم گورے حنی ہے، توب کس ہے نور دھائی

❦

### ترجمہ:

میں اپنے سوائی کے سنگ سسرال آئی۔ اس کے ساتھ رہی نہیں، وصال کا مزد چانا  
 نہیں۔ جوانی خواب کی طرح آئی اور چلی گئی۔ شادی کے دن سکھیں سنے گیت گائے  
 اور ماتھے پر دکھ سکھ کی بھدی لگائی۔ لیکن جب شادی ہو چکی تو میں بغیر دولہا کے چل  
 دی۔ راستے میں رشتے داروں نے سمجھا یا۔ کبیر کہتے ہیں ہم پر تم کے عشق کا گیت  
 گاتے ہوے گونے جائیں گے (رخصت ہوں گے)۔

(۹۶)

سُنعھ دیکھ من مہت پیروا  
عاسک ہو کر سونا کیا رے  
پایا ہو تو دے لے ہمارے  
پائے پائے بھر کھونا کیا رے  
جب انکھیں میں نیند گھنیری  
تکیہ اور بچھونا کیا رے  
کسہیں کبیر پریم کا مارگ  
بیر دینا تو رونا کیا رے

❖

ترجمہ:

دیکھ میرے دلدار، عاشق ہو کر سونا کیسا۔ وہل یا ہے تو اپنے وجود کو توڑ دے، اسے پا  
کر کھود دے کیا معنی رکھتا ہے۔ جب آنکھوں میں گھنیری فیند ہی ہو تو پھر نیلے اور بستری  
کیا ضرورت ہے۔ کبیر کہتے ہیں کہ عشق کی راو میں سروے رونا ہے کار ہے۔

حاشیہ:

غالب نے کہا ہے

کسی کو دے کے دل کوئی نوا سخ فداں کیوں ہو  
نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زبان کیوں ہو



نار د پیار سوانتر فلبی

پیار جگے نب ہی جاگور پیار سوئے سب سوؤں  
جو کوئی میرے پیار ڈکھاوے جڑا مول سور کھوؤں  
جہاں میرا پیار جس گارے تہاں کروں میں باسا  
پیار جلے آگے اٹھ دھاؤں موہ پیار کی اس  
ہے حد تیرتہ پیار کی چرنی کوٹ بیٹگ سمانے  
کھسی کبیر پریم کی مہما پیار دیب بھہانے

❖

ترجمہ:

اوتارو، میرا محبوب مجھ سے دور نہیں ہے۔ جب پیار جاتا ہے تو میں بھی جاتا ہوں اور  
پیار سوتا ہے تو میں بھی سوتا ہوں۔ جو میرے محبوب کو دکھ پہنچاتا ہے اس کو میں نیست و  
نابود کر دیتا ہوں۔ میں وہاں رہتا ہوں جہاں میرے محبوب کا قصیدہ پڑھا جاتا ہے۔  
جب وہ چلتا ہے تو اس سے پہلے اٹھ کر بھاگتا ہوں۔ مجھے صرف محبوب کا اشتیاق ہے۔  
اس کے تیرتہ بہت ہیں اور اس کے قدموں میں کروڑوں عاشق پیٹھے ہوئے ہیں۔ کبیر  
کہتے ہیں کہ عشق کا راز صرف محبوب آشکار کرتا ہے۔

کوئی پریم کی ہسٹ جھلاؤں  
 نبھ کے کھسک اور پریم کے دم سے  
 تن من آج جھلاؤں  
 نین بادل کی جھلاؤں  
 شام گھٹاؤں جھلاؤں  
 آوت آوت شرٹ کی راہ پر  
 فکر ہیا کو سناؤں  
 کھٹ کبیر سنو بھائی سادھو  
 ہیا کو دھیان چٹ لاؤں

✱

ترجمہ:

آج کوئی پریم کا جھولا جھلاؤں۔ محبوب کی بانہوں میں جھولاؤں کے اور پریم کے دم سے  
 سرشار ہو کے تن اور من کی پیٹک بڑھاؤں۔ نینوں کی جھڑی لگاؤ اور دل پر کالی گھٹا چھا جانے  
 دو۔ آتے آتے بالکل محبوب کے کان کے قریب آ جاؤ اور اسے اپنے دل کی بے قراری  
 کا حال سناؤ۔ سنو بھائی سادھو، کبیر کہتے ہیں کہ اپنے محبوب کے تصور میں ڈوب جاؤ۔

امرت برے ہیرا پیچھے  
 گھنٹ بڑے نکسال  
 کبیر جلاہا بھیا ہار شو  
 انہنے اتر پار  
 کبیر ہری رس یوں بیا  
 ہاکی رہی نہ تھاک  
 ہاکا کلس کبہار کا  
 نہری نہ چڑھنی چاک

❦

ترجمہ:

امرت برے رہا ہے اور ہیرا پیدا ہو رہا ہے۔ نکسال کا گھنٹ بج رہا ہے۔ کبیر جلاہا  
 جواہرات کا پرکھنے والا بن گیا ہے اور بغیر کسی خوف کے پار اتر گیا ہے۔ کبیر نے ہری  
 رس (عشق حقیقی کی شراب) اس طرح پیا ہے کہ اب پیاس باقی نہیں رہ گئی۔ کبہار کا چکا  
 گھڑا دوبارہ چاک پر نہیں چڑھتا۔

حاشیہ:

آخری دو مصرعوں میں دوبارہ پیدا ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ عمر خیام کی ایک رباعی میں موت صفات کو ترک کر کے عین ذات بن جانے کا نام ہے جسے اس نے عین حیات کہا ہے

ما ذات نہادہ در صفاتیم ہمہ  
عین خرد و حراء ذاتیم ہمہ  
تا در مستقیم در محاسنیم ہمہ  
چوں رفت صفت، عین حیاتیم ہمہ

(ترجمہ میں وہ ذات ہوں جو صفات میں گھری ہوئی ہے (سرگن کے اندر زرگن)۔  
میں عین خرد ہوں لیکن چوں کہ صفات میں لپٹا ہوا ہوں اس لیے عین ذات کے سامنے  
مسخرہ معلوم ہوتا ہوں۔ جب تک صفات میں جکڑ ہوں تب تک موت میں جکڑا ہوں۔  
جب صفات راکھ ہو جائیں گی تو میں عین حیات بن جاؤں گا۔)

ہوں تو سب ہی کمی کہوں، مویوں کوؤ نہ حار  
 تب بونہلا اب بھی بھلا، خگ خگ سوؤں نہ آن  
 کر کھونا خگ اندہ را، سد نہ ماسے کوئے  
 حاسے کہوں بہت اپنا، سوانہ سری ہونے  
 مس کا گچ جھوبو سہیں، کلمہ گہی سہیں باب  
 چارو خگ کو مہانہ نکو ہی حسانی باب  
 بولی بھری ٹورو کمی، ہمیں لکھے سہیں کہئے  
 ہم کو نو سونی لکھے، ڈھر بورب ڈ ہونے

❖

ترجمہ:

میں تو سب کی کہتا ہوں لیکن مجھے کوئی نہیں جانتا۔ میں تب بھی بھلا تھا، اب بھی بھلا  
 ہوں اور جگ بیت جانے کے بعد بھی مجھ میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ کجک کھونا ہے،  
 دنیا ادھی ہے، شہد (حرف حق) کو کوئی نہیں جانتا۔ جس سے اس کے فائدے کی بات  
 کرتا ہوں، وہی میرا دشمن ہو جاتا ہے۔ روشانی اور کاندھ میں نے چھوا نہیں، قلم کو ہاتھ  
 نہیں لگایا، چاروں ٹیگوں کی تفسیر زبانی ہی بیان کی۔ میری بولی پورے کی ہے، اور اس  
 لیے ہمیں کوئی خاطر میں نہیں لاتا، ہماری قدر تو وہ جانے جو خود چرب کیا ہو۔

### اودھو، گدورت کی گت لیاری

رست سواج کئے وہ راہ راہ بھوسٹ کئے بھکاری  
 تے مے ٹونکہ بھول جیس لائے، جسد بھول نہ بھولے  
 مغرب بھکاری رہے جنگل میں سمیہ سمندر ہی جھوٹے  
 رہزار و کچھ بھلا گئے، جیسوں دس بھولنی ناسا  
 میں لوٹ برآمد کیل میں دیکھے اندہ بھلا  
 سنگل سرور سمیرا لکھے، بریسوں مکھا دوے  
 گونگا گن و گپیاں پر کاسے اسہداسی غوٹے  
 ساہ اکس بھلا بھلاوے سس سرگ پر راہے  
 کسے کسیر رام میں راہا حور کچھ کریں سر جھوٹے

❦

ترجمہ:

۱۰۱۔ حور، قدرت کا عیال عیب و خریب ہے۔ اگر فقیر کو نہ اڑے تو ریلوے کراے اور ریلوے کو  
 چاہے تو بھکاری بنا لے۔ یہ اسی کا عیال ہے کہ لوٹک میں پھل نہیں ملتا اور صندل جو  
 مہنگا ہے پھل سے محروم ہے۔ (اگر وہ چاہے تو لوٹک میں پھل لگ جائے اور صندل

میں پھول کھائے تھیں۔) مگر مجھے شکار کے لیے جنگل میں گھومے اور شیر سمندر میں غوطے کھائے۔ ریز کا چیز صندوق سے بھرے جنگلوں کا پہاڑ بن جائے اور چاروں طرف خوشبو پھیلنے لگے۔ اندھا بھی کائنات کے تینوں عالم (آسمان، دھرتی اور پاتال) کا تماشا دیکھے، لنگڑا آدمی نمبر کے پرست کو پھاند جائے اور تینوں عالم میں آزادی سے گھومے۔ گونگا آدمی علم اور عرفان کی باتیں کرے اور الوہیت کا گیت گائے۔ اور اگر وہ چاہے تو آسمان کو پاتال میں پھینک دے اور شیش ٹاگ جو پاتال میں ہے اس کو جنت میں پہنچا دے۔ کبیر کہتے ہیں کہ رام (بھگوان) رب ہیں اور وہ جو کچھ کریں وہ انھیں زیب دیتا ہے۔

حاشیہ:

نمبر ۱۰۰ کا ایک فرنی پہاڑ، پہاڑوں کا سر جان۔

(۱۰۲)

اُنٹی جات کل دوؤ ہساری  
 سن سہج مہی نیت ہساری  
 ہسرا جھگڑا رہا نہ کوؤ  
 ہڈت ملا جھانڑے دوؤ  
 نئی نی آپ آپ ہسراوون  
 جہاں نہیں آپ تہاں ہوئے گاوون  
 ہڈت ملا حولکھ دہیا  
 جھانڑ جلی بھم کجھو نہ لیا  
 روئے کھلاس تر گولے میرا  
 آخ کھوج کھوج ملے کھیرا

❖

ترجمہ:

ہم نے ایت اور خندان دونوں کو بھل دیا ہے اور ہماری نیت شونیہ اور سچ میں جاری  
 ہے۔ ہمارا جھگڑا اسی سے نہیں رہا، پنڈت اور ملل دونوں کو نظر انداز کر دیا۔ آپ ہی جتا  
 ہوں اور آپ ہی جیتا ہوں اور جہاں آپ آپ کو نہیں پاتا وہاں جا کر گاتا ہوں۔



پنڈت اور مثلاً نے جو کچھ لکھا اس میں سے ہم نے کچھ بھی نہیں لیا۔ اے میر (جماعت کا پیشوا)، دیکھ لے، میرا دل بالکل خالی ہے۔ اب کبیر اس منزل میں پہنچ گیا ہے کہ بہت تلاش کرنے کے بعد ملے گا۔

حاشیہ:

اپنے آپ کو مذہبی کتابوں سے آزاد کر لینے کا جذبہ بھگتی کے دوسرے مدرسوں میں بھی ملے گا۔ مثلاً کے ایم سین نے اپنی انگریزی کتاب ”ہندو ازم“ میں بنگال کی باؤل تحریک کے ایک بھگت کا واقعہ لکھا ہے

”جب میں نے ایک باؤل سے پوچھا کہ وہ لوگ مذہبی کتابوں کو کیوں نہیں مانتے تو اس نے ذرا خفا ہو کر جواب دیا کہ ہم اپنے کارنامے پر فخر کرتے ہیں۔ جو اپنے باپ دادا کے کارناموں پر ناز کرتے رہتے ہیں وہ بزدل اور کمزور ہیں۔ ان میں خود کوئی صلاحیت باقی نہیں رہ گئی۔“

کبیر نے بھی ایک دوہے میں کہا ہے۔

ساکی لائے جتن کر، ات ات ات ات اتھرا کاٹ

کہے کبیر کب لگ بیئے، جھوٹی پٹل چاٹ

(ترجمہ ادھر ادھر سے حرف جمع کر کے نصیحت نامہ تیار کیا گیا ہے۔ کبیر کہتے ہیں کہ

اس طرح جھوٹے پٹل چاٹ کر کب تک زندہ رہو گے۔)

کچھ جو ساتھ پیدا ہوا ہو، فطری، بے ساختہ، بے تکلف۔

شوہیہ: خلا، سناٹا، بے صفات ذات مطلق۔

کھلاس، خلاص۔

میرا: اے امیر، اے بچ۔

بوھو پند، کر ہو بچا، پڑش ایسے کہ ناری  
 دھوئیں لے گھر دھوئیں ہوئی، بو گئی کسے گھر جلی  
 نعل، بڑا بڑا پنی تر کسی، کئی مس رسی اکلی  
 بر سہیں مے سا سہی کرنی، پھر حو ہو سہاری  
 ناری مہ مہیے انت سہں جیوایے، اب سی اد کنواری  
 مے مہ مہیے، دانی مہ سہیے، کانس لے سک سوے  
 کسی کس وہ خک خک سوے، حو پت لے کووے

ۛۛۛ

ترجمہ:

اسے پند، ناری نے یہ پکٹی جو بچا، او (یا) مر، ہے یا عورت۔ برمن نے گھر وہ  
 دھوئیں لے اور دانی نے گھر دھوئیں ہو جاتی ہے۔ ظہر پڑا، راہ مسلمان ہو جاتی ہے  
 اور پھر بھی اس تمام بچکڑے میں سب سے کب رکتی ہے۔ شوہ نہیں رکھتی، بیوا نہیں  
 تھی پھر بھی سہ مہیے۔ سی ایک تو بھی نہیں چھوڑتی تہ پھر بھی عیشہ کی کنواری ہے۔  
 میوہ دانی نہیں، سسران جاتی نہیں، بیان سا میں سے ساتھ سوتی ضرور ہے۔ کبیر کہتے  
 ہیں کہ او (یا)، ت پت، کبہ خاندان پتو نہیں رکھتی، مگر کافی ہے۔

حاشیہ:

حافظ شیرازی نے بھی دنیا (سندر = مایا) کو ایک ایسی عورت سے تشبیہ دی ہے جس کے ہزاروں شوہر ہیں۔ ”کہ این بجز و عروس ہزار دہا داست“  
کبیر کی نظم کا آخری مصرع اس اعتبار سے اہم ہے کہ اس میں مایا کو ناقص کہا گیا ہے۔ اس خیال کا سلسلہ رامانج کے وحشت اوریت سے جاتا ہے۔ (دیکھیے دیباچہ کبیر کے مایا کے تصور پر نوٹ)۔

رام تیری مایا دُند مجاوی

گنت سب وا کی سمجھ بیے نہیں، سر برُئس ہی بجاوی  
 کا سیر کئے سا کھا بڑھئیے، ہنول انوبہ بائی  
 گنت جاک لاگ رہے ہیں، چا کھت سوا اڑانی  
 کھا کھجور بڑانی تیری، کل کوئی ہیں باوی  
 مگر کھم زت اب اتی نکاسی، جھانا کام نہ اوے  
 اپنا جہر اور کو سکھوے، کاس، کک، سیاسی  
 گہیں کیر سو ہو سنو، رام جرن رب ماسی

✽

ترجمہ:

رام، تیری مایا دُند چ رہی ہے۔ اس کی کیفیت سمجھ میں نہیں آتی۔ دیوتا، انسان، رشی اور  
 مئی سب کو نچاتی رہتی ہے۔ مایا نے سہل کی شاخ کی طرح جو یہ اپنی شاخیں پھیلا رکھی  
 ہیں اس سے کیا فائدہ۔ طرح طرح کے پھول لگتے ہیں، کتنے ہی پیسے آ کر بیٹھتے ہیں  
 اور ٹلوٹے پھل کھا کر اڑ جاتے ہیں۔ کھجور کے چیر، تیری بڑائی بے کار ہے، تجھ سے کسی  
 کو آ رام نہیں ملے۔ گرمی کا طولانی موسم آ گیا ہے اور تیرا سایہ کام نہیں آتا۔ مایا اپنی

چالاکی اوروں کو سکھا دیتی ہے اور عورت اور سونے میں یہی سیانا پن اور دھوکا ہے۔ سنو  
 سنتو، کبیر کہتے ہیں کہ ہم نے تو رام (بھگوان) کے چہنوں سے لو لکائے کا راستہ اختیار  
 کیا ہے۔

### حاشیہ:

رت میں نے اس کا ترجمہ مصرعے کے پورے مفہوم کے اعتبار سے سن لکھنا کیا  
 ہے۔ رت جنسی جذبے کو بھی کہتے ہیں اور یہ عشق کے دیوتا کا سراج کی بیوی کا بھی نام  
 ہے۔

ای مایار گوسا کی بوری، کھنٹی چلی ابیرا ہو  
 جبر جکبا جن جن مارے، کاہ نہ را کھے نیرا ہو  
 موسیٰ، بیر، دگسر مارے، دھیان دھرنے جوگی ہو  
 جنگل میں جنگہ مارے، بابا کسہ بیور نہ بیوگی ہو  
 بید پڑھتے بدوا مارے، پُچا کر بنے سامی ہو  
 اربہ و جارت ہندت مارے، نانہ عیو سکی لنگاسی ہو  
 سنگی رشی میں بیہتر مارے، سر بر عدا کی بیوری ہو  
 نانہ مجہدر جلے ہیئو دے، سنگھلہو میں بوری ہو  
 ساکب کے گھر کرنا دھونا ہیری بھگت کی جیری ہو  
 کہیں کبیر سو ہو سنو، حور وارے نور بیوری ہو

❖

ترجمہ:

یہ مایا جو رکھتا تھا (بھگوان) کی دیوانی ہے، شکار کھینچنے لگی ہے۔ بڑے بڑے چاہاک  
 اور سبک دست آدمیوں کو جن جن کر مارتی ہے اور کسی کو اپنے قریب نہیں آنے دیتی۔  
 کہیں دھونی، بیر اور دگسر کو مارتی ہے اور کہیں دھیان میں کھوئے ہوئے جوگی کو، اور

کہیں جنگلوں میں رہنے والے جنگم سادھوؤں کو۔ غرض مایا سے کوئی فیض یاب نہیں ہو سکا۔ وہ وید پڑھتے ہوئے برہمنوں کو بھی مار لیتی ہے اور پوجا کرتے ہوئے سوامیوں کو بھی اور تفسیر بیان کرتے ہوئے پنڈتوں کو بھی۔ اس نے سب کے منہ میں لگام لگا دی ہے۔ وہ جنگل میں جا کر تنگی رشی کو مارتی ہے اور برہما کا سر پھوڑ دیتی ہے۔ اس کے قریب نے پھندرناتھ کو بھی، جو مایا کی طرف سے چننے موز کر چلے تھے، لگام میں جا کے ڈبو دیا۔ مایا دنیا دار کے گھر میں کرتا، احرنا بن بیٹھتی ہے لیکن ہی کی بھگتی میں کھوئے ہوئے لوگوں کی کنیز ہو جاتی ہے۔

حاشیہ:

اہیرا اہیز = شکار۔

نیرا قریب۔

موٹی: خاموش رہنے والے سادھو

ہیر: جو بھگتوں کی ایک قسم۔

دکمر: جینی فقیر جو رنگے رتے ہیں اور تمام، شاؤں (ستوں) کو ہالاس سمجھتے ہیں۔

تنگی ایک رشی کا نام جو جنگل میں تپا یا رتے تھے اور ایک عورت پر عاشق ہو گئے تھے۔

برہما کا سر پھوڑنا، مانع یا قتل برہما کا مقام ہے۔ اس لیے اس کا مطلب ہوا قتل کا قتل۔

پھندرناتھ سدھ یوگی تھے جو لڑکا کی عورتوں پر عاشق ہو گئے تھے۔

ساکت شکتی کو ماننے والے، غرور اور طاقت سے کام لیتے والے۔

ہانگڑ دیس نوؤں کا گھر ہے،  
 نہاں جن جانی دا جہن کا ڈر ہے  
 سب جگ دیکھوں کوئی نہ دھیرا،  
 ہر ت دھور ہر کہت ایہرا  
 نہ تہاں سروور نہ تہاں پانی،  
 نہ تہاں ست مگر سادھو رانی  
 نہ تہاں کوکل نہ تہاں سووا،  
 اونجیے جڑہ جڑہ ہنسا سووا  
 دیس مائوا گھر گھر، ذک ذک روئی پگ پگ ہر

✽

ترجمہ:

ہانگڑ دیس (مغربی علاقہ) گرم نوؤں کا دیس ہے۔ وہاں مت جاؤ، جل جانے کا ڈر ہے۔ میں ساری دنیا کو دیکھتا ہوں، کسی کے دل میں صبر قناعت نہیں ہے۔ سر پر جو خاک پڑتی ہے اسے دوغیر سمجھتے ہیں۔ نہ وہاں جمیل ہے نہ پانی، نہ ست گرد ہیں نہ ساہو کی آواز (مداک حق)، نہ وہاں کوکل ہے نہ طوطا، اور جس اونچا اڑتے اڑتے مر



میا۔ لیکن مالوے کا دیس گہر گہیر ہے۔ وہاں قدم قدم پر روٹی اور قدم قدم پر پانی ہے۔ کبیر کہتے ہیں کہ اس دنیا کی حیثیت اعتباری ہے۔ گونگا گڑکھ کر اس کا مزہ بیان نہیں کر سکتا۔

### حاشیہ:

اس نظم کا مفہوم واضح نہیں ہے۔ بانگز دیش اور مالوے کی کیا اہمیت ہے پتا نہیں چلتا۔ بانگز اس علاقے کا قدیم نام ہے جسے ہریانہ کہتے ہیں۔ مالوے کا علاقہ وسط ہندوستان میں ہے جہاں کی راتیں بڑی سہانی ہوتی ہیں۔ اس علاقے کو کبیر نے ”گہر گہیر“ کہا ہے یعنی وسیع، بیکراں، اتھاوا۔ اس اعتبار سے بانگز دیش کا مطلب ہوگا اونچی یا بلند خشک پٹھاروں کا علاقہ۔ کبیر چوں کہ گریستی تھے اور کپڑاؤں کر اپنی روزی کھاتے تھے اس لیے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ بانگز دیش سے مراد ترک دنیا ہے اور گہر گہیر مالوے سے مراد دنیا کو برتا ہے۔ نظم کے آخر میں کبیر نے دنیا کو اعتباری کہا ہے

یہ تو ہم کا کارخانہ ہے

یاں وہی ہے جو اعتبار کیا

(میر تقی میر)

رہتا نہیں دیس پرانا ہے

یہ سسار کا نگہ کسی بیڑیا، بوند بیڑے ذہل حاما ہے

یہ سسار کسٹ کی بازی، اٹھو ہندو مر حاما ہے

یہ سسار جہاز او حیا کر، آگ لگے مر حاما ہے

کہتے کبیر سوبھانی سادھو، ست کرو نام ٹھکانا ہے

❦

ترجمہ:

یہ پرانا دیس ہے، یہاں نہیں رہتا ہے۔ یہ سسار کا نگہ کی بیڑیا ہے جو ایک بوند پانی سے

کل جاتی ہے۔ یہ کانٹوں کی جھاڑی ہے جس میں الجھ کر لوگ مر جاتے ہیں۔ یہ جہاز

جہنگاز ہے جو آگ لگتے ہی جل جاتا ہے۔ کبیر کہتے ہیں سوبھائی سادھو، اصل منزل

ست کرو کا نام ہے۔

حاشیہ:

صبح دم طائران خوش احوں      پڑھتے ہیں کل من ملیہا قان

جسے عبرت سراے فانی ہے      مورد مرگ ناگہانی ہے (شوق)

”تمہ گھر جاؤ ہماری بہنا، دش لا گئی ہمارے بہان  
 اُنہر چھانڑ برحق رائے، تا کس ہیں کا دیان  
 بل جاؤں تا کس جس تمہہ پنہنی، ایک بھائی ابٹ بہان“  
 ”رائی کھانڈی دیکھ ہمارا سنگارو  
 سرگ لوک نہیں ہم چل انی کروں کبیر بھروری“  
 ”سرگ لوک میں کیا دکھ پڑیا، تمہہ انی کل ماسہس  
 جات حلا پام کبیرا، اح ہوں پیسو ناپس  
 تہان جاؤ حہان ہاٹ پتھر، اگر جندن گھسی لسن  
 انی ہمارے کہا کرو گئی، ہم نو حاب کھیان  
 جس ہم سا جے ساحیہ بوا جے، باندھے کا جے دھا گے  
 جس تمہہ جس کرو ٹھیرا، ہاسی آگ نہ لا گے  
 صاحب میرا لیکھا مانگے، لکھا کسوں کر دے جے  
 جس تمہہ جس کرو ٹھیرا تو پاپس بیر نہ بھجے  
 جا کی من مجھی سو میرا معجھا سو میرا رکنوالو  
 ٹک ایک تمہارے ہاتھ لگاؤں نوراح رام رسالو

جات جلاہا کبیرا بن بھروں آپاسی

آس پاس سمہہ بھر بھر ویو ابٹک ماؤ ابٹک ماسی

✽

ترجمہ:

”میری بہن (مایا)، تم اپنے گھر جاؤ، تمہاری آنکھیں مجھے نہ ہرلگ رہی ہیں۔ میں نے صفات کو چھوڑ کر ذات سے لولگائی ہے، اب مجھے کسی سے کچھ لینا دینا نہیں۔ میں اس کے قربان جاؤں جس نے تمہیں بھیجا ہے، ہم دونوں تو بہن بھائی ہیں۔“

”اس لال لکوار کو دیکھو کبیر، میرا سنگار دیکھو، میں جنت سے اتر کر آئی ہوں اور کبیر میں تمہیں اپنا دولہا بنانا چاہتی ہوں۔“

”جنت میں تمہیں کیا دکھ تھا جو تم نے اس کل جلی دنیا میں آنے کی تکلیف گوارا کی؟ ہماری ذات جلا ہے کی ہے اور نام کبیر ہے، ہمیں تو کبھی کسی نے پوچھا نہیں۔ تم وہاں جاؤ جہاں تخت بچھے ہیں، باغ آراستہ ہیں، اناج کے بورے بھرے ہیں، ریشم کی بھرمار ہے، اگر اور مسئلہ گھسا جا رہا ہے۔ ہمارے پاس آ کر کیا کر دو گی، ہم تو کینوں کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس نے ہمیں پیدا کیا ہے اور جس کی نوازش ہم پر ہے، اس نے ہمیں اپنے پیار کے کچے دھاگے میں باندھ رکھا ہے۔ تم چاہے جتنے جتن کرو، پانی میں آگ نہیں لگا سکو گی (مجھے اپنی طرف مائل نہیں کر سکو گی)۔ میرا لک تو اعلیٰ نامہ مانگتا ہے، وہ میں اسے کیسے دکھاؤں گا۔ تم چاہے جتنے جتن کرو پھر میں پانی جذب نہیں ہو سکتا۔ میں جس کی مچھلی ہوں وہی میرا چھیرا ہے، وہی میرا رکھوالا ہے۔ اگر تمہیں ہاتھ بھی لگا دوں تو رام مجھ سے روٹھ جائیں گے۔ میری تو جلا ہے کی ذات ہے اور میں جنگل جنگل بھوکا پیارا مادا پھرتا ہوں۔ تم میرے آس پاس گھومو اور بیٹھو۔ ہماری ماں اور خالہ ایک ہی ہے (یعنی ہم سب بھائی بہن بھائی ہیں)۔

### مایا مہا لہگنی ہم جانی

تر گن بھاس سے کر ڈولے ، ہوئے مذھوری ہاسی  
 کہسو کے کھلا ہوئی بنھی ، سو کے بھون بھواسی  
 پنڈا کے مور ت ہوئی بنھی ، سر بھوہو میں ہاسی  
 جوگی کے جوگ ہوئی بنھی ، اھا کے گھر راسی  
 کابو کے ہیرا ہوئی بنھی ، کابو کے کورن لاسی  
 بھکت کے بھکر ہوئی بنھی ، رہے لے رہے ہاسی  
 کہیں کہیں سو بھانی سادھو ، نہ سب اکو کہاسی

❦

### ترجمہ:

ہم مایا کو بہت بڑی مٹھنی سمجھتے ہیں۔ اس کے ہاتھ میں تر گن کی پونسی کا پھندا ہے اور  
 ہونٹوں پر پیٹھے بول۔ تیشو (دشنو) کے یہاں مند (لاشی) بن تیغی اور شے کے یہاں  
 بھوانی۔ پنڈا کے گھر مور ت بن تیغی اور تیرتھ میں پانی۔ جوگی لے گھر میں جوگن ہوئی  
 اور راجہ کے گھر رانی۔ کسی کے یہاں ہیرا بن رانی اور کسی کے یہاں کانی کوڑی۔  
 بھکتوں کے یہاں بھکت بن ہوئی اور برہما کے گھر برہمانی۔ سنو مہائی ساہو، کبیر کہتے ہیں

کہ یہ قابل بیان کہانی ہے۔

حاشیہ:

ترگن پرنس (ترگن کا پھندا) قدیم ہندو فکر کے مطابق مادے یا پراکرتی کی تین صفت (گن) ہیں۔ (۱) خمس یعنی جمو، سکون، بے حرکتی، (۲) رجنس یعنی حرکت، عمل، (۳) سٹا یعنی تباہ یا آہنگ اور تناسب۔ یہ تین صفت مل کر مادے کی اصل حقیقت بن جاتی ہیں۔ نئی ہوئی رتی کی طرح یہ تینوں صفت (گن) ایک دوسرے کے ساتھ جوست ہیں۔ پہلے گن کی زیادتی انسان کو مست، کامل، اور کینہ پرور بنا دیتی ہے، دوسرے گن کی زیادتی غرور اور شجاعت پیدا کرتی ہے، اور تیسرے گن کی زیادتی متوازن طبیعت اور سمجھ داری کی ذلتے وار ہے، بالترتیب ن کا رنگ سیاہ، سرخ اور سفید ہے۔

کیسو کیسو = خوبصورت بالوں والا، دشنو کا ایک اور نام۔ (ویسے یہ نام کرشن جی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے کیوں کہ وہ دشنو کے دھار ہیں۔)  
بھوانی شو کی بیوی پاروتی یا دُرگا کا ایک اور نام۔ بھوانی دیوی ٹھکوں کی رکھوالی ہے اور چٹیک کی بھی دیوی سمجھی جاتی ہے۔  
کمالا نکشمی، یوی کا ایک اور نام، مکمل عورت۔  
برہمانی برہما کی موہن۔ تیر کی ایچہ معلوم ہوتی ہے۔

یا کریم ہلی حکمت تیری  
 کھاٹ ایک صورت بُہتری  
 اردہ گنگن میں نیر جمایا  
 بہت بھانت کر نورن پایا  
 اولیا آدم پیر ملانا  
 تیری صفت کر بھیجے دوانا  
 کسے کسیر بُہ بہت بچارا  
 یارب یارب یارب ہمارا



ترجمہ:

اے کریم، میں تیری حکمت پر قرمان جاؤں، خاک ایک سے نیس صورتیں ہزاروں  
 ہیں۔ تو نے وسط آسمان میں پانی کو قائم کیا اور طرت طرت سے نور پھیا اے۔ "ویا،  
 آدم، حیر، مولوی سب تیری صفات بیان کرتے کرتے ہو گے۔" کہتے رہتے ہیں  
 کہ ہم نے تو بس یہ نکتہ سوچا ہے کہ یارب ہمارا یارب ہے۔

### (۱۱۱)

پانڈے بوجھ ہیو تم پانی

جھی متیا کے گھر مار بیٹھے، ما مار سسٹ سماں  
 جھیں کوٹ حدو جہاں بیٹھے، مں حق سہیں اثہاسی  
 ہگ ہگ ہگسیر گڑے، سو سب سر ہیو مانی  
 نے ہی متیا کے پانڈے پانڈے، بوجھ ہی ہو تم پانی  
 مچھو کچھو گھر بار بیٹھے، ادھر سیر حل پھریا  
 مدد سیر برک جھی اوئے، پش ماس سب سیریا  
 ہڑ جھری حور گود گری گر، دودھ کھان نیں آیا  
 سوائے پانڈے جیوں بیٹھے، متیا جیوں جیوں لگا ہا  
 بید کسب جیوں دو پانڈے، ای سب مں کے بھرما  
 کہیں کسیر سو ہو پانڈے، ای مہوے ہیں کرم

✽

ترجمہ:

یہ تمہاری حماقت ہے پانڈے، کہ تم پہلے ذات پر چھتے ہو پھر اس کے ہاتھ کا پانی پیتے  
 ہو۔ تم جس مٹی کے گھر میں بیٹھے ہو اس میں ساری کائنات (سسٹ = سرش =



فطرت = تخلیق) سائی ہوئی ہے۔ پتھن کر دیا دو اور انھاسی ہزار مٹی یہاں فرق ہو گئے ہیں اور قدم قدم پر گزے ہوئے پتھروں کی لاشیں سڑ کر مٹی ہو گئی ہیں۔ اے پانڈے، یہ برتن اسی مٹی کے ہیں اور تم ذات پوجہ کے پانی پیتے ہو۔ اس پانی میں مگر مجھ، کچھوے اور گھڑیاں بچے دیتے ہیں اور ان کا خون پانی میں مل جاتا ہے۔ اس ندی کے پانی میں سارا نرک (گندی چیز = دوزخ) بہہ کر آتا ہے اور جانور اور انسان سب اس میں سڑتے ہیں۔ جب بڑی اور گودا گل جاتا ہے تب دودھ بنتا ہے۔ اس دودھ کو لے کر پانڈے کھانا کھانے بیٹھتے ہیں لیکن ساری چھوٹ چھات مٹی ہی میں مانتے ہیں۔ اے پانڈے جی، وید اور قرآن سب کو چھوڑ دو، یہ سب دل کے دھوکے ہیں۔ سنو پانڈے جی، کبیر کہتے ہیں کہ یہ تمھارے کرم ہیں جو تمھارے سامنے آتے ہیں۔

حاشیہ:

معلوم نہیں پتھن کر دیا اور انھاسی ہزار کی تعداد کی کیا اہمیت ہے لیکن اشارہ یاد دہانی کے ڈوبنے کی طرف ہے۔ ایک چندر ونشی راجا بیاتی کا بیٹا پیدا ہوا تھا۔ اس کی نسل یاد دہانی جس میں کرشن پیدا ہوئے۔ کرشن جی کی پیدائش کے وقت وہ لوگ گوالے تھے لیکن آخر میں دوار کا (گجرات) میں ان کی سلطنت قائم ہوئی۔ کرشن جی کے بعد جب دوار کا شہر سمندر کی طوفانی لہروں میں ڈوب گیا تو یہ لوگ بھی غرق ہو گئے۔ دشمن یہ ان میں ان کی تعداد رکھوں اور کر دیاں بتائی گئی ہے۔

اس نظم میں جس خیال کا اظہار کیا گیا ہے اس کی تائید میں دو واقعے بھی بیان کیے جاتے ہیں۔

کبیر کی مٹی کمالی کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ایک دن کنویں پر پانی بھر رہی تھی، ایک پراسا براہمن نے اس سے پانی مانگا۔ پانی پی کر جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ کمالی خلا ہے کی بیٹی ہے تو بہت خفا ہوا اور کہنے لگا کہ تو نے مجھے بے دھرم کر دیا۔ دونوں کبیر

کے پاس آئے۔ کبیر نے براہمن دیوتا کو بتایا کہ آخر کبھو تو پاک اور ناپاک کیا چیز ہے۔ میگزوں، دشمنوں اور منوں چٹاں پانی میں سڑا کرتی ہیں، کروڑوں آدمی زمین میں دفن ہیں اور اس مٹی سے وہ برتن بنائے جاتے ہیں جن میں تم پانی پیتے اور کھانا کھاتے ہو۔ کھانا کھاتے وقت تم کپڑے اتار ڈالتے ہو، صرف ایک دھوئی باندھے رہتے ہو مگر وہ دھوئی جلا ہے کی بجائی ہوئی ہوتی ہے۔ کھیاں خلیط اور خردار پر پٹختی ہیں اور وہاں سے اڑ کر تمہارے کھانے پر پٹختی ہیں کیا۔ تم ان کو روک سکتے ہو؟ اسی طرح کا ایک اور واقعہ "دوستان مذہب" میں درج ہے۔

"کہتے ہیں کچھ براہمن گنگا کنارے بیٹھے ہوئے گنگا جل کی تعریف کر رہے تھے کہ اس سے سارے گناہ دھل جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک نے پانی مانگا۔ کبیر ان کی باتیں سن رہا تھا۔ اٹھ کر گیا اور اپنا پیالہ پانی سے بھر کر براہمن کے پاس لے آیا۔ چوں کہ کبیر غلہ ہاتھ اور براہمن ان لوگوں کے ہاتھ کا تھوا ہوا کھاتے پیتے نہیں ہیں، اس براہمن نے پانی نہیں پیا۔ کبیر نے کہا کہ آپ ابھی فرماتے تھے کہ گنگا جل سے گندگی سے بدن اور روت دھل جاتے ہیں۔ اگر یہ پانی میرے برتن کو بھی پاک نہیں کر سکتا تو اس تعریف کے قابل نہیں۔" (کبیر صاحب، مولفہ پنڈت منوہر لال دتھی، مطبوعہ ہندوستانی اکیڈمی، الہ آباد، ۱۹۳۰ء۔)

سادھو، پانڈے، پٹن کسان

بکری مار بھیڑ کو دھائے، دل میں درد بہا آئی

کر اسان تلک دے بٹھے بدھی سوں دیو پھانی

آتم مار پٹک میں بسے، زدھر کی ندی بھانی

اب پُست اونچے کل کہے، سبھا سانہہ ادھکائی

ان سے دُجھا سب کوئی مانگے، بسی آوے موسہ بھانی

ہاپ کش کو گنھا ساویں، کرم کراویں سبھا

بوڑت دوڑ ہر سیر دیکھے گھے ہاسہ ہم کھسبھا

گانے بدھے سو ترک کھاوے نہ کیا ان سے جھوٹے

کہیں کبیر سو بھانی سادھو، کل میں ہاسہں کھوٹے



ترجمہ:

اے سادھو، یہ پانڈے بڑے متناقض تعصبات ہیں، بکری کا بلیڈان کر کے بھیڑ کی طرف

لپکتے ہیں۔ ان کے دل میں ذرا بھی نرم نہیں۔ اشدان کر کے اور تلک لگا کے بیٹھتے ہیں

اور بڑی باقاعدگی سے دیوتا کی پوجا کرتے ہیں۔ یہ اپنی آتما کو ایک پل میں مار دیتے

ہیں اور خون کی ندی بہا دیتے ہیں۔ یہ بہت مقدس ہیں اور اونچے خاندان کے ہیں اور

سبھا میں ان کی بڑی مان دان ہے۔ ان سے سب لوگ علم اور عرفان حاصل کرتے ہیں اور مجھے یہ تماشا دیکھ کے جیسی آتی ہے۔ لوگوں کا پاپ کا نئے کے لیے یہ کھانا سنا ہے اور کام ان سے بہت نیچے کرواتے ہیں۔ میں نے دونوں کو ایک ساتھ ڈوبتے دیکھا ہے، جس کو انھوں نے سہارا دیا اس کو لے ڈوبے۔ جو گائے کو مارے وہ مسلمان کہلاتا ہے لیکن کیا یہ پاؤں سے ان مسلمانوں سے کچھ کم ہیں۔ کبیر کہتے ہیں کھجک میں ہر ہمن بہت کھوئے ہوئے ہیں۔

پانڈے نہ کرسی باد ببادم  
 یاد بھی بن سہد نہ سوادم  
 انڈ برہمڈ کھنڈ بھی مائی  
 مائی نو بندہ کایا  
 مائی کھوجت ست گرؤ بھیٹیا  
 تن کجھ الکھ لکھایا  
 جیوت مائی سورا بھی مائی  
 دیکھ گیان بچاری  
 اب کالی مائی میں واسا  
 لیٹے پاؤں پساری  
 مائی کا چتر ہون کا تھمہا  
 ویند سنجوگب آپایا  
 بھائیں گھڑے سوارے سوئی  
 یہہ گورند کی مایا  
 مائی کا مندر گیان کا دیک

ہون باب اجبارا

تھی اجبارے سب جگ سوچھے

کبیر گیان بچارا

✽

ترجمہ:

دیکھو پانڈے، اصول بحث مباحث نہ کرو۔ اس جسم سے بغیر نہ تو شہد (صوت سردی) ہے اور نہ شہد کا مزد۔ یہ کروڑ زمین، یہ کائنات، اس کا جزو اور کل سب مٹی ہے۔ یہ نو نہ حیوں کی کایا (جی جسم بھی جو طرح طرح کے خزانوں سے معمور ہے) مٹی ہے۔ اس مٹی کی تلاش میں (اپنی اپنے آپ کو پہچاننے میں) مت کرو سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے تھوڑے سے تھوڑے سے پرہیز کیا (ان دیکھے کو دکھایا)۔ ذرا گیان دھیان سے کام دو تو معلوم ہوگا کہ زندہ بھی مٹی ہے اور مردہ بھی مٹی ہے۔ اس بے حد کالی مٹی میں موری رہائش سے اور مسمیٰ میں پاؤں پھیلائے لیٹے ہوئے ہیں۔ ہوا کے ستون پر آویزاں یہ مٹی کی بنی ہوئی تصویر، وہ عجیب ہے جسے ایک نقطے نے ظاہر کیا ہے۔ یہ گوند (بھگون) کی خلق کا کرشمہ ہے کہ وہ اس مٹی کو توڑتا، بناتا اور سنوارتا رہتا ہے۔ مٹی کا مندر ہے جس میں عرفان کا چراغ جل رہا ہے اور ہوا کی مٹی کا اجالا پھیل رہا ہے۔ کبیر سوچ پھرے کہتے ہیں کہ اس روشنی میں سارا جگ دکھائی دیتا ہے۔

حاشیہ:

بادبد (۱۰۱۰۰۰) بحث مباحث۔

نودھ کایا نہ نہ حیوں سے معمور جسم، نودھ خزانے کو کہتے ہیں۔ نودھ دولت کے دیوتا کویرے نو خزانے ہیں، اور ہر خزانے کی محافظ ایک ایک روح ہے جن کی پرستش تا ترک دھرم میں کی جاتی ہے۔ ان سب کے الگ الگ نام ہیں۔

اُت بے حد  
واسار رہنے کی جگہ  
آہارنا: بے نقاب کرنا

دیخند: (بندو) نقطہ۔ غالب نے کہا ہے:

خُن کیے ست ولے در نظر ز شرمت میر  
کند چو شعلہ جوالہ نقطہ پر کاری

(ترجمہ بات ایک ہی ہے لیکن اپنی تیز رفتاری کی وجہ سے ایک نقطہ جو وجودِ مطلق ہے  
ناپتے ہوئے شعلے کی طرح نکلا ہوں پر ظاہر ہوتا ہے۔) غالب کی تشبیہ دہنی اور فکری  
ہے۔ کبیر کی تشبیہ خشی اور زمینی۔

گودیند (گوند) کرشن کا نام۔ کرشن دشمن کا اتار ہیں اس لیے بھگوان۔ منی خاق  
کائنات۔

گیارھویں اور بارھویں مصرعے میں جو تصویر کبیر نے پیش کی ہے وہ بڑی خوبصورت  
اور عجیب و غریب ہے۔ سانس ہوا کا تھمبا ہے جس کے چاروں طرف جسم مٹی کی ہی  
ہوئی تصویر ہے۔

پن بات (پن باقی)۔ ہوا کی جی۔ یہاں سانس چراغ کی نو ہے (شمع مہمان کا  
اجالا)

من بنیاں بنع نہ جھولے  
 حم حم کا مارا ہن اح ہوں پور نہ تولے  
 پاسگ کیے ادھکاری لے سے ، بھولا بھولا ڈولے  
 گھر میں ڈبڈھا گھٹ ہنی ہے ،  
 ہل ہل میں جت تولے  
 کنب وا کے سکل حراسی ، امرت میں ونر گھولے  
 نم ہیں جل میں نم ہیں نھل میں ،  
 نم ہی گھٹ گھٹ ہولے  
 کسی کبیر واسش کو ذریے ، ہر دے گشت نہ کھولے  
 \*

ترجمہ :

من کا بنیا اپن بنیا پن نہیں چھوڑتا۔ یہ جنم جنم کا مارا آج بھی پورا نہیں تولے۔ کم تولے کو  
 اس نے اپن حق سمجھ لیا ہے اور اس کے غرور میں بھولا بھولا رہتا ہے۔ تذبذب نے اس  
 کی عقل خراب کر دی ہے اور وہ ہر لمحہ اپنے ضمیر کو مجروح کرتا ہے۔ اس کا سارا خاندان  
 حرامی ہے کہ وہ امرت میں نہ رہ سکتا ہے۔ (اوپر سے یہی کہتا رہتا ہے کہ) بحر و بر میں



تم ہی تم ہو، ہر جسم کے اندر تم بول رہے ہو (لیکن دل میں اس کا یقین نہیں ہے)۔ کبیر  
کہتے ہیں کہ ایسے گیان سے ڈریے جو دل کی گانتھ نہیں کھولتا (دل کی بات ظاہر نہیں  
کرتا)۔

میرا قبرا سوان کہیے الٹ بوٹی رہے  
 میں کہتا ہوں آنکھن دیکھی،  
 تو کہتا کا گد کی لیکھی  
 میں کہا سرحدوں باری، نور اکھو ارحمانی رہے  
 میں کہا سو حاکم، دیو، سو رہتا ہے سوئی رہے  
 میں کہا رموسی رہو، سو حاکم ہے موہی رہے  
 خٹکی خٹکی سمجھو بڑا کہی، ماسٹ کوئی رہے  
 ٹو نو ونڈی پھرے پہلی،  
 سب دھن ڈارے کھوٹی رہے  
 سب گرو دھارا برمل ہے، واسی ک۔ دھوٹی رہے  
 کہت کبیر سنو بھائی سادھو،  
 تب ہی وہا بوٹی رہے

❖

ترجمہ:

میرا دل اور تیرا دل ایک کیسے ہو سکتا ہے۔ میں آنکھوں دیکھی کہتا ہوں اور تو کتابوں

میں لکھی بات سناتا ہے۔ میں سلجھانے والی بات کہتا ہوں اور تو الجھانے والی۔ میں کہتا  
 ہوں کہ جاگتے رہنا اور تو سوتا رہتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ سنسار سے دل نہ لگانا اور تو  
 اس کے موہ میں مبتلا ہے۔ سمجھاتے سمجھاتے جگ بیت گئے لیکن میری کہی ہوئی بات  
 کوئی ماننا نہیں۔ تو تو رنڈی کی طرح آوارہ ہے، اور دھن دولت (ضمیر کی عصمت) کھو  
 بیٹھا۔ کبیر کہتے ہیں کہ ست گرد صاف و پاک پانی کا بہتا ہوا دھارا ہے اور جس نے  
 اپنی کایا اس میں دھوئی وہی ست گرد جیسا ہو سکتا ہے۔

دلہن انگیا کا ہے وہ دھووانی

نہ اپنے کسی مٹی انگیا و شے داگ پر حانی  
 نہ دھونے پر ریحمت مائیں، سب سے دست گرائی  
 شمر دھار کے صاف کر لے ست نام درباری  
 دندھا کے بھید کھول نہریا، مں کے میل دھووانی  
 جنت کرو سوں یں بینے، اب نو گوں گجانی  
 بالہار دوار ہیں نوازے، اب کہے ہجینانی  
 کہت کہہ سوری نہریا، جنت اعلیٰ دے انی

\*

ترجمہ:

اے دلہن، تو نے اپنی انگیا کیوں نہیں دھوائی۔ یہ بچپن کی میل انگیا ہے جس پر نفسانی  
 خواہشات کے داغ پڑے ہوئے ہیں۔ بغیر دھوئے ہوئے پر تم رکھتے نہیں ہیں اور سچ  
 سے مراد سچتہ ہیں۔ خدا کی یاد کو اپنا صابن بنالے اور ست نام کو دریا بنالے۔ اے  
 دلہن، تہذیب کی گرہیں کھول دے اور مں کا میل دھو ڈال۔ سوچ تو کہ عمر کے تین حصے  
 بیت چکے ہیں اور اب گونے (رخصت) کا وقت قریب آ گیا ہے۔ تیرا پالنے والا

دروازے پر گھڑا ہے، اب کیوں اداس ہے۔ کبیر کہتے ہیں اے دلہن، اپنے دل کی  
آنکھ میں گیان کا کاہل لگا کر آ جا۔

حاشیہ:

انکھیا جسم ہے اور دلہن روح۔

چیت انجن، لفظی معنی دل کا کاہل، مراد ہے دل کی آنکھ میں گیان کا کاہل۔

سادھو دیکھو جگ ہورانا  
 ساجی کھو نو مارن دھارے جنوٹھے جگ پیاں  
 بند کسبت ہے رام بیمارا مسلمان رحمانا  
 اپس میں دوڑو ٹھے مرت ہیں سرم کوئی بھی جان  
 نہت مے موسیٰ جی دھری براب کرنی اسان  
 آنہ جہور پناہیں پوجی، تنگ نہوتھا گیا  
 اسی مار ڈسہ دھر سٹھے، مس میں نہت گمانا  
 پیر پاتھر نویں پھرے جناب نمک انساں  
 سا کبھی سدے گناہ پھوے آنہ کھیر نہ جانا  
 گھر گھر مسر خودیں پھرت ہیں بابا کیے اٹھانا  
 گرووا نہت سسبہ سمب سڑے است کان پچھٹانا  
 نہت دنکیجے پیر اولنا پڑھیں کتاب گراں  
 کریں مرید کیر تالوین انہوں گھوڈا نہ جان  
 بندو کی دیا، مسر نہ کی کی، دوعوں گھر سے بھاگی  
 وہ کرے جیسہ وار جیتک مارے آگ دوڑ گھر لاگی

ما بدہ ہست چلت ہیں ہم کو آپ کہاویں سباما  
کسہیں کسیر سنو نہائی سادھو، ان میں کون دوا

✽

ترجمہ:

دیکھو سادھو، ساری دنیا پاگل ہو گئی ہے۔ سچی بات کہو تو مارتے کو دوزخ میں لیکن  
جھوٹ پر ساری دنیا کا ایمان ہے۔ ہندو رام کا نام لیتا ہے اور مسلمان رحمان کا اور  
دونوں اس بات پر آپس میں لڑے مارتے ہیں لیکن حقیقت سے کوئی واقف نہیں۔ مجھے  
دھرم اور اس کے قوانین کے ماننے والے بہت ملے جو ہر صبح اذان کرتے ہیں اور آتما  
کو چھوڑ کر پتھر کی پوجا کرتے ہیں۔ ان کا علم اور عرفاں جھوٹا ہے۔ غرور ہے آسن مار  
کے بیٹھے ہیں اور ان کا من گمان میں جلا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ پتھر اور پیل کو  
پوجتے ہیں۔ والا اور ٹوپی پہن کر تلک اور چھاپا لگاتے ہیں۔ نصیحت اور اپدیش (خاہری  
علم) کے الفاظ بولتے ہیں۔ وہ آتما سے بے خبر ہو گئے ہیں۔ جو گرد مایا کے غرور میں  
گھر گھر منتر سناتے پھرتے ہیں وہ گرد اور ان کے چیلے سب ڈاوب چکے ہیں اور  
پچھتاوے کے سوا ان کے پاس کچھ نہیں ہے۔ میں نے ہیر اور مرید بہت دیکھے ہیں جو  
کتاب اور قرآن پڑھتے رہتے ہیں، وہ قبر دکھا کر لوگوں کو مرید بناتے ہیں، ظاہر ہے  
کہ انھوں نے خدا کو نہیں پہچانا۔ ہندو کی ذیاد اور مسلمانوں کی محبت دونوں ان کے  
گھروں سے نکل گئی ہیں۔ ایک جانور کو ذبح کرتا ہے اور دوسرا جھنکا کرتا ہے یکن آگ  
دونوں کے گھر میں لگی ہے۔ اس طرح وہ ہم پر تو ہنستے ہیں اور خود سیانے کہلاتے ہیں۔  
کبیر کہتے ہیں اے سادھو، تم ہی بتاؤ، ہم دونوں میں کون دیوانہ ہے۔

حاشیہ:

تیرتھ برن بھرا نا اس نکلے کا ترجمہ نہیں کیا ہے کیوں کہ مفہوم صاف نہیں ہے۔  
چھاپ چھاپا۔ تلک کی ایک قسم۔ ہندوؤں میں مختلف فرقوں کے تلک الگ الگ  
ہیں۔



## (۱۱۸)

میں نسلہ سو بولساں میں نہیں آوے  
ہم مسکریں کھدائی بندے سمہرا جس میں بڑے  
اللہ اول دین ک صاحب حور بھی پھر ماما  
مُرسد ہر نمہارے سے کوہ کہو کہاں بھی ابا  
روحا کریں نواح گھاڑیں کلے بھست نہ ہوئی  
سنر کھسے الٹ دل بھینر جسے کر جائے کوئی  
کھسم بچھاں برس کر ہی میں مال منی کر پھسکی  
آبا جاں سانیس کو جاسی، سب ہوئے بھست سر پھسکی  
ماٹی الٹ، بھینس دھر ماما، سب میں برعہ سماں  
کھسے کبیر بھست چونکاٹی دو جگ ہی میں ماما

❦

ترجمہ:

میاں، تم سے کہنے کے لیے کوئی بات نہیں ہتی۔ ہم تو مسکین خدائی بندے ہیں۔  
تھمارے جی میں جو آئے وہ سمجھو۔ اللہ دین کا اول اصول ہے اور اس نے برستی کی  
ہدایت نہیں فرمائی ہے۔ تمہارے پیر اور مرشد کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں۔

روزے رکھنے، نماز گزارنے اور کلک پڑھنے سے جنت نہیں ملتی۔ کاش کوئی یہ بات جانے کہ ایک دل میں ستر کعبے موجود ہیں۔ اپنے محبوب کو پیچانو اور دل میں رحم پیدا کرو اور مال و متاع کو حقیر سمجھو۔ بہشت تو تب ملتی ہے جب سائیں (محبوب) کو اپنے پاس محسوس کریں۔ ایک مٹی ہے اور طرح طرح کی شکلیں اور سب میں برہم (ذاتِ مطلق) موجود ہے۔ کبیر کہتے ہیں کہ بہشت اور دوزخ کا تصور من مانا ہے۔

حاشیہ:

روحِ جا روزہ۔

نواج: نماز۔

مالِ تہیں: مالِ متاع۔

دوجک: دوزخ

ستر کعبے اک دل بھیتز اس تصور سے اردو اور فارسی شاعری بھری پڑی ہے

بت خانہ توڑ ڈالے مسجد کو ڈھایے

دل کو نہ توڑے یہ خدا کا مقام ہے

توڑ کے بت خانے کو مسجد بنا کی تو نے شیخ

برہمن کے دل کی بھی کچھ فکر ہے تعمیر کی

(سودا)

نک و کچھ منم خانہ عشق آن کے اے شیخ

جوں شیخ حرم رنگ جھمکتا ہے بتاں کا

(سودا)

مے خور و مصحف بسوز و آتش اندر کعبہ زن

ساکن بت خانہ باش و مردم آزاری مکن

(ترجمہ شراب پیو، مصحف کو جلا دو، کعبے کو آگ لگا دو اور بت خانے میں جانور بیٹھ جاؤ)

لیکن مردم آزاری مت کرو۔ یعنی مردم آزاری سب سے بڑا گناہ ہے۔)

آخری دو مصرعے۔ مائی ایک... سنانا

حقیقت ایک ہے ہر شے لی، خاکی ہو کہ نوری ہو

لہو خورشید کا پئے اگر نازے کا دل چہ یں

(اقبال)

مکمل کبیر... مکن مانا:

ہم کو معلوم ہے جنت و حقیقت یمن

دل کے خوش رہنے کو غالب یہ دنیاں اچھا ہے

(غالب)

ادا سی دوسہ کت مسمو، چاکس کے رچیہاں  
 حل ابھی حل سی سون جیہا، رست ہاس ہاس  
 میں نگاری رہیں مگ جوڑ پرستہ نمری اس  
 جوڑے کسہ مہہ مگ نہ سو، یعنی جوں دوس  
 ۱۰۔ حل موب کھر کھر، جسے حل م میں  
 دوس سہیں سو کہ رہیں مہرا گھرا گھرا نہ نہانے  
 سحر مہا جوں یعنی بہ کوا، حاکم رہیں سہائے  
 ہم نو نمری داسی مہنا، تم ہمرے پھر تار  
 دیں دیال دیا کر آؤ سرتھ سرجن بار  
 کئے نہ یوں محبت پس ہارے، کئے ایسی کریمو  
 داس کس۔ ہا اب ارغو بہ کو در میں دسو  
 ہو

ترجمہ:

میرے روال دوس، کب ملو گے، تم تو بھگتوں کے رکھ اسکے یوں پانی میں پیدا ہوئی  
 "اور پانی ہی سے محبت ہے، پھر بھی میں پیاس پیاس چڑھتی ہوں۔ میں برہ کی ماری

کھڑی ہوئی تمھاری راہ دیکھ رہی ہوں۔ میرے پتے تم، بس تمھاری ہی آس ہے۔  
 تمھاری محبت میں گھر چھوٹ گیا اور میں تمھارے قدموں میں آگئی۔ گھر ہے اندر میں  
 مادی ہے آب کی طرح ترپتی ہوں۔ دل و صوکت نہیں جیتی، رات کو نیند نہیں آتی اور گھر کا  
 آئینہ سناٹا نہیں لگتا۔ اب تو میری تنہائی میری دشمن ہوئی ہے۔ ساری رات آنکھوں میں  
 کٹ جاتی ہے (جاگ جاگ کر رات کو صبح بڑھتی ہوں)۔ ماضی، میں تو تمھاری ہے  
 ہوں، تم میرے مالک ہو۔ اب فریاد نواں، اب رنر، اور آ جاؤ۔ تم قمار، طلاق اور  
 خالق ہو۔ یا تو مجھے مانتا ہو، نہیں تو میں جاں دے دوں گی۔ اس لیے سے ایسے ہدائی  
 حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اب مجھے اے جلوہ، صدادہ۔

نن من دھن باجی لاگی ہو

جو بڑ کھلنوں بو سے رے من من باجی لگا  
 ہاری بو ہا کی بھنی رے ، ہنی نو ہا مور ہو  
 جو سرپا کے کھیل میں رے خگ میں کی آس  
 بردا کھلی رہ گئی سہی جیوں کی آسو ہو  
 جبار من گھرا بٹ ہے رے ، سب سب نہا ست کے لوگ  
 مسسا باج کرم کونی ، پریم سا ہو اور ہو  
 نکو جو راسی نہرمت بھرم ہو بے انکی آئے  
 حوا اب کے بو ما بڑی رے ، بھر جو راسی حائے ہو  
 کہیں کسر دھرم داس سے رے ، جی باجی ست ہار  
 اب کے سرت جڑانے دے رے ، سوئی سہا گئی مار ہو

ۛ

ترجمہ

تن من دھن کی ہاری لگی ہوئی ہے۔ میں اپنے پریم کے ساتھ چوڑ کھیل رہی ہوں اور  
 تن من کی ہاری لگا دی ہے۔ اگر ہاری تو پریم کی ہو جائے گی اور جیتی تو پریم میرے

ہو جائیں گے۔ چوسر کے اس کھیل میں جگ مل کی آس ہے۔ گوٹ اکیلی رہ جائے تو اس کے بچنے کی امید نہیں رہتی ہے۔ رنگ چار ہیں لیکن آخری گھر ایک ہے۔ بھانت بھانت کے لوگ ہیں تو کیا۔ خیال، بات اور عمل تینوں سے اپنی محبت نبھاؤ۔ سب چوراسی لاکھ جنم کے چکر میں بھٹک رہے ہیں اور بات پو پرانگی ہوئی ہے۔ اگر اب کے پو نہ پڑی تو پھر چوراسی لاکھ جنم سینے پڑیں گے۔ کبیر دھرم داس سے کہتے ہیں کہ جیتی بازی مت ہارنا۔ جواب کے محبت کو داؤں پر لگا دے وہی عورت سہاگن ہے۔

### حاشیہ

جگ مل چوسر کے کھیل میں جب ایک خانے میں دو گونیں جمع ہو جاتی ہیں تو وہ پٹ نہیں نکلتیں۔ اس کو جگ مل کہتے ہیں۔ سودا کا شعر ہے

امن دو دل کو ہو یکساں پہ بساط دوراں  
چوٹ کھاتی نہیں وہ برد جو ہو برد کے ساتھ

بساط دوراں: زمانے کی بساط۔ خرد: گوٹ۔

چار برن چار رنگ، چوسر کے کھیل میں کونوں کے چار رنگ اور ہندو دھرم میں ذاتوں کے چار رنگ، یہاں دونوں مفہوم ہیں۔

چوراسی چوسر کے کھیل میں گوٹ کو چوراسی گھر چلنے پڑتے ہیں تب کہیں جائز اس کی گردش ختم ہوتی ہے۔ ہندو عقیدہ ہے کہ نردان سے پہلے انسان کو چوراسی لاکھ جنم لینے پڑتے ہیں۔

پو جب گوٹ آخری گھر میں پہنچ جاتی ہے تو جیتنے کے لیے پو ضروری ہے۔ یہاں پو سے مراد موت اور نردان ہے۔ جو گوٹ چوراسی گھر چلے اور پو پڑنے کے بعد اندر پہنچ گئی وہ پھر باہر نہیں نکلتی، گویا اس کا نردان ہو گیا۔

کیسے دن کشمیں جن بتائے جنیو  
 ابہ ہار گنگا اوہ ہار حما  
 بجوان شرٹیا ہم کار چھوائے جنیو  
 اجرا بہار کیے کا گچ ہائیں  
 اپنی شرٹیا چہرے لکھائے جنیو  
 کہت کبیر سو بھائی سادھو  
 بھیاں بکر کیں دیا بتائے جنیو

ۛۛۛ

ترجمہ:

یہ بات ہے۔۔۔ کہ میں یہ کہتا ہوں کہ۔۔۔ اس بار کات وراثت پر مسابقت میں ہاری  
 ہم پائی ہوتے ہیں۔۔۔ آئیں پورا کاٹ دیا ہے، اس پر اپنی صورت کا نقش چھوڑتے ہیں  
 (اب ہمارے پر ہتھ مار رہے ہیں کہ یہ سچے کر رہتے ہوتے ہیں۔۔۔)

حاشیہ:

سرت محبت، انکس یہاں غا ہا یہ صورت کی ٹرن موٹی شکل ہے۔



### گنگن کی اوٹ نسانا ہے

دہنے سور چدر ما بدنیں، تکے بیچ چوہیاں سے  
 تن کی کھان سُرت ک وودا، سبد ہاں اے نانا ہے  
 مارت ہاں بدھاں ہی ہی تن، ست گرو کا پروا ہے  
 مار بوناں گھواؤ سہیں ہی سین، جس لاگ ہی جانا ہے  
 کہیں کبیر سو بیانی سادھو، جس جانا ہی ماں سے

ۛ

### ترجمہ:

نشان آسمان کی اوٹ ہے۔ دہائی طرف سورج ہے بائیں طرف چاند ورتن پچ میں  
 چمپا ہوا ہے۔ تن کی کدوں اور عشق کی کدوں اور عشق کی ڈوری اور شہد (غظ = نام۔  
 صوت مریدی) کا تیرتاں لیا ہے اور اس تیرنے تن کو پھیدو ۛ ہے۔ ان رٹم دکھائی نہیں  
 دیتا۔ جنھوں نے رٹم کھایا ہے وہی جانتے ہیں۔ بھائی سادھو سنو، کبیر کہتے ہیں جو جان  
 گئے ہیں وہ اس بات کو مانتے ہیں۔

سوج سمجھ ایسا ہی، چادر بونی ہے براسی  
 مارے نکڑے حور خلک سوں، سی کے اک لبثاسی  
 شر قاری سی ہیں سوں سوج موں سی ساسی  
 ہنہ نکو تیں کے حنہ، دلوئی بھل پاسی  
 ساری حنری اور عے سی، بھنی نری جس حاسی  
 سسک ماں حال حنہ ابے، ہنہ ہے جیج براسی  
 کہے کسر دھر را کو جس سے پیر ہجو ہیں اسی



### ترجمہ:

اے مفرور، یہ سوج کہ تیری چادر پانی ہو چکی ہے۔ بڑے جتن سے نکلے جمع کر  
 کے لیے میں اور پھر بھیج جسم۔ پیٹ یا ہے۔ تو نے گناہوں سے یہ چادر میلی کر  
 دی ہے۔ اے اپنی سے اے گناہ کر دیا ہے۔ نہ اس میں تو۔ گناہ کا صابن لگا یا نہ اے  
 انہی طرح پانی۔ دھویا۔ ساری مرادزیتے بیت گئی اور تو نے بھلے نمے کی تیز نہیں  
 کی۔ شنب اور شنبے میں جتا، یہ کچھ لے کہ یہ دوسرے کی چیز ہے۔ کبیر کہتے ہیں کہ  
 اے جتن سے رخص۔ یہ پھر ماتحت میں آئے گی۔ (چادر سے مراد زندگی ہے۔)

(۱۲۴)

اُن براہت وسٹ کو کھاتجے،  
 براہت کو تَجے سوتیاگی ہے  
 سن اصل ٹرنک کھا بھیجے،  
 ابتر بھیجے سو باگی ہے  
 جگ نہو کا گاونا کیا گارے،  
 اُنہو گارے سوراگی ہے  
 بن گیہ کی باسنا ناس کرے،  
 کبیر سوئی بیراگی ہے

۴۸۱

ترجمہ:

جو چیز حاصل نہیں ہوئی اسے کیا ترک کرتا ہے، جو حاصل ہو چکا ہے اسے ترک کرنے والا کیا کی ہے۔ اصل گھوڑے کو کیا پھیرنا، جو ازیل گھوڑے کو پھیرے، وہ بگدھری جانتا ہے۔ دنیا کے تجربے کا گانا کیا گاتا ہے، اصلی راگ جانتے والا وہ ہے جو اپنے تجربے کا گیت گاتا ہے۔ کبیر کہتے ہیں کہ ہیرا کی وہ ہے جو سحر اور جنگل دونوں کی خواہش کو ترک کر دے۔

سو لو پیو میں گئے، گھونگھٹ کے پٹ کھول رہے  
 گھٹ گھٹ میں وہی سانس رستا،  
 کٹک بجن مت بول رہے  
 دھن جویں کو گوب نہ کیجئے،  
 چھوٹا بچ رنگ جوں رہے

سر، معن میں دسا مارے، اس سوں مت دون رہے  
 جوتک خاکسب سے رنگ معن میں، ہسہ ہسی انہوں رہے  
 کسے کسر سے چھوڑے، صاحب اسہ ذہول رہے  
 ۛۛۛ

ترجمہ:

تقدیر پر تریس کے، اپنے گھونگھٹ کے پٹ کھول رہے۔ ہر جسم میں وہی ایک رنگ  
 آ رہا ہے۔ اسی سے یہ رُدا بول کیوں بولتا ہے۔ دوات اور جونی کا غرور مت کر  
 کہو کہ یہ پانچ رنگ کا چور، چھوڑا ہے۔ شریعہ کے کل میں چراغ جلائے اور امید کا  
 امن، تھو سے مت چھوڑو۔ چپٹے رنگ کے ترے سے رنگ کل میں تجھے انہوں پر تم  
 ٹکا۔ بتیہ کہتے ہیں کہ صوفی سرمدنی کا سر رن رہا ہے اور سر ت ہی سر ت ہے۔

ذنی حگدیس کہاں تے آیا، کہنہ کوئے بہر مایا  
 اللہ، رام، کریم، کبسو، پھرب نام دھرا  
 گہا ایٹ کٹک نیں گڑھا، ان مسہ بہاؤ نہ دوحا  
 کہیں سس کوڈر کر پائیں، الٹ ساج ات پوحا  
 وہی سہاد بو وہی محمد، بریم، آدم کہیے  
 کو بدو کو ٹرک کہوئے، ایک حمس پر رہیے  
 وید کہیپ بڑے وے کنا، وے مولانا وے پاندے  
 مگر بنگر نام دھرائے، الٹ منہ کرے پاندے  
 کہیں کسروے دووون بیونے، رام سہ کہیوں نہ پان  
 وے کیسئی وے گائے کسادیں، ماد سہ حسہ گنواں

ۛۛۛ

ترجمہ:

دو حگدیش (دنیا کے مالک) کہاں سے آئے۔ تجھے اس مجرم میں سے نے متا کر دیا  
 ہے۔ اللہ رام، کریم، ایک کیسے ہو سکتے ہیں۔ ایک سونے سے سب ریور بنا دے  
 گئے ہیں۔ ان میں دوسری قدر و قیمت نہیں ہے۔ یہ سب، ایک نام، ایک چوہا، کہنے

سنے کی باتیں ہیں، اس کو اپنے وجود سے دور کر دے۔ وہی مہدیو ہے وہی محمد، جو برہما  
 ہے اس کو آدم کہنا چاہیے۔ کوئی ہندو کہہ دیتا ہے اور کوئی مسلمان، لیکن رہتے ایک زمین  
 پر ہیں۔ ایک دید کی کتابیں پڑھتا ہے اور ایک خطبہ، ایک مورخ کہلاتا ہے اور ایک  
 پنڈت۔ الگ الگ نام رکھ لیے ہیں، دیتے برتن سب ایک ہی منی کے ہیں۔ کبیر کہتے  
 ہیں کہ وہ دونوں گمراہ ہیں، راہ (فدا) کو کسی نے نہیں پایا۔ ایک بکرا کاٹتا ہے دوسرا  
 گائے ذبح کرتا ہے اور دونوں اسی جھگڑ سے میں اپنی زندگی گناتے ہیں۔

(۱۲۷)

من تم نابک دند معانے  
 کر اسمان جھوو تنہہ کاہو، پانی پھول جڑھانے  
 مورت سے دنیا بھل مانگے، اپنے ہاتھ بنانے  
 یہ جگ بوجے دیو دیہرا، تیر تھ ورت انہانے  
 چلت بھرت میں پاؤں تھکت بھی، بہ ڈکھ کہاں سمانے  
 جھوٹھی کایا جھوٹھی مایا، جھوٹھے جھوٹھل کھانے  
 بانجھن گانے دودھ تنہہ دیسے، ما کھن کہاں سے پانے  
 سانجے کی سنگ سانج بست ہے، جھوٹھے مار بٹانے  
 کہے کیر جنہیں سانج وست ہے سہجے درس پانے

❖

ترجمہ:

اے من، تو ناحق دند بچار رہا ہے۔ پھول پانی چڑھا کے بھی کوئی آسمان کو ہاتھوں سے نہیں چھو سکتا۔ دنیا اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی مورتی سے پھل مانگتی ہے اور دیوتاؤں کی چوکھٹ پوجتی ہے اور تیر تھ پر جاتی ہے، برت رکھتی ہے اور اٹھان کرتی ہے۔ اس پکر میں چلتے چلتے پاؤں تھک جاتے ہیں۔ آخر یہ دکھ کہاں سمائے گا۔ کایا بھی جھوٹی ہے، مایا

بھی جھوٹی ہے، مالحق تو جھوٹن کھاتا پھرتا ہے۔ ہانچھ گائے جب دودھ ہی نہیں دے گی  
 تو تجھے مکھن کہاں سے ملے گا۔ بچے کے ساتھ سچا ہی رہتا ہے۔ جھوٹے کو مار کے بھگا  
 دو۔ کبیر کہتے ہیں کہ جہاں صداقت بہتی ہے وہاں ویدار اور جلوہ بڑا بے تکلف ہوتا  
 ہے۔



(۱۲۸)

یہ جنگ اندھا میں کیسہ سمجھاؤں  
 الٹ ذنی ہوں انہیں سمجھاؤں  
 سب ہی بھلانا پیٹ کے دھندا  
 پانی کے گھوڑا ہوں اسوروا ڈھرت پرے  
 جس اوس کے بندا  
 گہری ندیا اگم سے دھروا کہیوں بہارا پڑ گا پھندا  
 گہر کی وسٹ تکٹ نہہ آوت دینا بار کے  
 ڈھونڈت اندھا  
 لاگنی آگ سکل بن جرگابن مگر گیان بھٹکیا بندا  
 کہے کبیر ستو بھاتی سادھوا الٹ دن جاوے  
 لنگوٹی جھار بندا

❖

ترجمہ:

یہ ساری دنیا اندھی ہے، میں کس کو سمجھاؤں۔ ایک دم ہوں تو میں انہیں سمجھانے کی  
 کوشش بھی کروں۔ یہاں تو سب ہی پیٹ کے دھندے میں بھٹکتے پھر رہے ہیں۔ پانی

کے گھوڑے پر ہوا کا سوار ایسے ٹپک جاتا ہے جیسے اوس کی بند۔ (حقیقت کی) اتھاہ  
 ندی بہہ رہی ہے اور اس کی دھار کے بیچ میں کھینچا ہوا پھنس گیا ہے۔ گھر کی چیز کے  
 قریب نہیں جاتا لیکن اندھا چہرا غ جلا کر ادھر ادھر ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ آگ لگی اور  
 سب کچھ جل گیا۔ گرد کے میان (عرفان حق) کے بغیر بندہ بھٹک رہا ہے۔ سنو بھائی  
 سادھو، کبیر کہتے ہیں کہ یہ بندہ ایک دن لنگوٹی جھاڑ کے رخصت ہو جائے گا۔